شمارہ نمبر ۱۷ ربیع الاوّل ۱۴۳۱ھ، مارچ ۲۰۱۰ء

اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے، مخلوق سے جدا ہے۔ اس پر قرآن وحدیث اور اجماعِ ائمہ دین کے بعد اقوالِ صحابہ پیشِ خدمت ہیں:

① سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ : جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **من كان يعبد محمّدا ، فإنّ محمّدا قد مات ، ومن كان يعبد الله فإنّ الله في السّماء حيّ ، لا يموت .**

''جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو (وہ جان لے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آچکی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو (وہ مطمئن رہے کہ) اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر زندہ ہے، اس کو کبھی موت نہ آئے گی۔'' (التاريخ الكبير للبخاري : ۲۰۲/۱، مسند البزار : ۱۰۳، الرد على المريسي للدارمي : ۵۱۸/۱۔۵۱۹، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **رواه البزّار ورجاله رجال الصّحيح غير عليّ بن المنذر ، وهو ثقة .** ''اس کو امام بزار نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، سوائے علی بن المنذر کے اور وہ ثقہ ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۳۳۲/۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (كتاب العرش للذهبي : ۱۵۹/۲)

② سیدنا عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ : آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ويل لديّان الأرض من ديّان السّماء يوم يلقونه إلّا من أمر بالعدل ، فقضى بالحقّ ولم يقض على هوى ولا على قرابة ولا على رغبة ولا حبّ ، وجعل كتاب الله مرآة بين عينيه . ''قیامت کے دن زمین کے قاضی کے لیے آسمان کے قاضی (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہلاکت ہے، سوائے اس آدمی کے جس نے عدل کا حکم دیا، حق کے ساتھ فیصلہ کیا اور اس نے خواہشِ نفس، رشتہ داری، رغبت اور محبت کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے آئینہ بنالیا۔'' (الرد على المريسي للدارمي : ۵۱۵/۱۔۵۱۶، العلوّ للذهبي : ص

۷۸، وسندہٗ صحیحٌ)

③ **سیدنا عبد اللّٰہ بن مسعود** رضی اللہ عنہ : آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما بين كلّ سماء إلى أخرى مسيرة خمسمأة عام ، وما بين السّماء والأرض مسيرة خمسمأة عام ، وما بين السّماء السّابعة إلى الكرسيّ مسيرة خمسمأة عام ، وما بين الكرسيّ إلى الماء مسيرة خمسمأة عام ، والعرش على الماء ، والله على العرش ، ويعلم أعمالكم . ''ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، زمین اور آسمانِ دنیا کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، ساتویں آسمان سے کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ عرش پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔''(كتاب التوحيد لابن خزيمة : ۲۴۲/۱-۲۴۳، ح : ۱۴۹، الرد على الجهمية للدارمی : ۸۱، الرد على المريسی للدارمی : ۴۲۲/۱، المعجم الكبير للطبرانی : ۲۰۲/۹، العظمة لابی الشيخ : ۶۸۸/۲-۶۸۹، التمهيد لابن عبد البر : ۱۳۹/۷، الاسماء والصفات للبيهقی : ۸۵۱، وسندہٗ حسنٌ)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **رجاله رجال الصّحيح .** ''اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔''(مجمع الزوائد للهيثمی : ۸۶/۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(العلو للذهبی : ص ٦٤)

④ **سیدہ أم ایمن** رضی اللہ عنہا : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قال أبو بكر رضى الله عنه بعد وفاة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم لعمر : انطلق بنا إلى أمّ أيمن ، نزورها كما كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يزورها ، فلمّا انتهينا إليها بكت ، فقالا : ما يبكيك ؟ ما عند الله خير لرسوله صلّى الله عليه وسلّم ، فقالت : ما أبكى أن لّا أكون أعلم أنّ ما عند الله خير لرسوله صلّى الله عليه وسلّم ، ولكن أبكى أنّ الوحى قد انقطع من السّماء ، فهيجتهما على البكاء ، فجعل يبكيان معا . ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، آؤ ہم امِ ایمن کو مل کر آئیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملا کرتے تھے۔ جب ہم

ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ دونوں نے کہا، آپ کو کون سی چیز رُلا رہی ہے؟ اللہ کے ہاں اپنے رسول کے لیے خیر ہے۔ انہوں نے کہا، میں اس لیے نہیں روتی کہ مجھے یہ علم نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ اس کے رسول کے لیے بہتر ہے، بلکہ میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی منقطع ہوگئی ہے۔ انہوں نے سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رونے پر اُکسا دیا، وہ دونوں بھی رونے لگ گئے۔'' (صحیح مسلم : ٢٤٥٤)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے، کیونکہ وحی آسمانوں سے نازل ہوتی تھی۔

⑤ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا :

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **كانت زينب بنت جحش تقول : انّ اللّٰه أنكحني في السّماء .** ''ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں، میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔'' (صحیح بخاری : ٧٤٢١) جاری ہے۔۔۔

❁❁❁❁❁❁❁

اختتامِ مجلس کی دعا

ابوسعید

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی مجلس میں بیٹھتے یا کوئی نماز ادا فرماتے تو چند کلمات پڑھتے، انہوں نے آپ ﷺ سے ان کلمات کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اگر آدمی نے کوئی بھلائی والی بات کی ہوگی تو یہ کلمات قیامت تک اس پر مہر ہوں گے اور اگر کوئی اور (شر والی) بات کی ہوگی تو یہ کلمات اس کا کفارہ بن جائیں گے:

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ .

''اے اللہ میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

(مسند الامام احمد : ٧٧/٦، وسندهٗ صحيحٌ ، وصحّح اسنادهٗ ابن حجر في النكت : ٧٣٣/٢)

✳✳✳✳✳✳✳

اتباعِ رسول ﷺ ہی کیوں؟

ہم پر محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی فرض ہے۔ آپ ﷺ کے اقوال وافعال اللہ کا دین ہیں۔

رسولِ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے یوں فرمایا:

انّی قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به فلن تضلّوا أبدا : کتاب اللّٰه وسنّة نبیّه .

''یقیناً میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ اگر تم ان کو تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اس کے نبی اکرم ﷺ کی سنت۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٩٣/١، وسندهٗ حسنٌ)

اس کا راوی عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: **وثّقه الأکثرون ، واحتجّوا به .**

''اکثر محدثین نے اسے ثقہ کہا ہے اور ان کی روایات سے حجت لی ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : ١٩٧/٢، تحت حدیث : ٢٠٩٤)

دوسرا راوی اسماعیل بن ابی اویس بھی جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔

۞ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ** ﴾ (النساء : ٨٠/٤)

''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (م ١٩٨ھ) فرمایا کرتے تھے: **إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه علیه وسلّم هو المیزان الأکبر ، فعلیه تعرض الأشیاء علی خلقه وسیرته وهدیه ، فما وافقها فهو الحقّ وما خالفها فهو الباطل .** ''اللہ کے رسول ﷺ سب سے بڑی کسوٹی ہیں، لہٰذا آپ ہی کے اخلاق، سیرت اور طریقہ پر تمام اشیا پیش کی جاتی ہیں۔ جو ان کے موافق ہو، وہ حق اور جو ان کے مخالف ہو، وہ باطل ہیں۔'' (الجامع لاخلاق الراوی للخطیب : ٨، وسندهٗ صحیحٌ)

۞ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ **اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ﴾ (النور : ٥١/٢٤)

''جب مؤمنوں کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان کا قول یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور پیروی کی۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

۞ نیز ارشاد ہے: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴾ (النور : ٦٣/٢٤)

''جو لوگ اس (نبیٔ اکرم ﷺ) کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو ڈرنا چاہیے کہ ان کو کوئی عظیم فتنہ یا دردناک عذاب پہنچ جائے گا۔''

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

وقوله تعالىٰ : ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ ﴾ ، أى أمر رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، وهو سبيله ومنهاجه وطريقته وشريعته ، فتوزن الأقوال والأعمال بأقواله وأعماله ، فما وافق ذلك قبل وما خالفه فهو مردود على قائله وفاعله ، كائنا من كان .

''فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ ﴾ (النور : ٦٣/٢٤) سے مراد رسولِ کریم ﷺ کا امر ہے اور وہ آپ ﷺ کے راستہ، منہج، طریقہ اور آپ کی شریعت کا نام ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کے ساتھ ہی (سب لوگوں کے) اقوال وافعال پرکھے جاتے ہیں۔ جو قول وفعل آپ ﷺ کے اقوال وافعال کے موافق ہو، قبول کیا جائے گا اور جو ان کے خلاف ہو، اسے اس کے قائل وفاعل پر ردّ کر دیا جائے گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

(تفسیر ابنِ کثیر : ٥٧٨/٥، بتحقیق عبد الرزاق المهدی)

۞ مزید فرمایا: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ (النساء : ٦٥/٤)

''(اے نبی!) تیرے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے، جب تک وہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں فیصل وحاکم تسلیم نہ کر لیں، پھر وہ آپ کے فیصلے پر اپنے نفسوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے دل سے تسلیم کریں۔''

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **هذه كافية لمن عقل وحذر وآمن باللّٰه واليوم الآخر ، وأيقن أنّ هذا العهد عهد ربّه تعالىٰ اليه ووصيّته عزّ وجلّ الواردة عليه ،**

فليفتّش الإنسان نفسه ، فإن وجد في نفسه ممّا قضاه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في كلّ خبر يصحّحه ممّا قد بلغه ، أو وجد نفسه غير مسلمة لما جاء ه عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ووجد نفسه مائلة إلى قول فلان وفلان ، أو إلى قياسه واستحسانه ، أو وجد نفسه تحكّم فيما نازعت فيه أحدا دون رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم من صاحب فمن دونه ، فليعلم أنّ اللّٰه تعالىٰ قد أقسم ، وقوله الحقّ ، إنّه ليس مؤمنا ، وصدق اللّٰه تعالىٰ ، وإذا لم يكن مؤمنا فهو كافر ، ولا سبيل إلى قسم ثالث ... ''یہی آیت اس شخص کے لیے کافی ہے، جو عقل منداور ہوشیار ہو، نیز اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہواور یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ وعدہ اس کے رب نے اس سے لیا ہےاور یہ وصیت اس کی طرف سے اس پر لاگو ہے۔ انسان کو اپنے نفس کی تشخیص کرنی چاہیے۔ اگر وہ صحیح حدیث میں موجود رسولِ کریم ﷺ کے فیصلے کے بارے میں اپنے نفس میں تنگی محسوس کرے یا اپنے نفس کو پائے کہ وہ اس چیز کو تسلیم ہی نہیں کرتی ، جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس تک پہنچی ہے یا اپنے نفس کو فلاں اور فلاں کے قول یا اپنے ذاتی قیاس واستحسان کی طرف مائل ہونے والا پائے یا اپنے نفس کو پائے کہ وہ اختلاف میں فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے کسی صحابی یا بعد والے کی طرف لے کر جاتی ہےتو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہےاوراس کا فرمان حق ہے کہ وہ مؤمن نہیں۔ اللہ نے سچ فرمایا ہے، جب وہ مؤمن نہیں تو کافر ہی ہے۔ کسی تیسری قسم کی طرف تو کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔''(الاحکام لابن حزم : ۱/۱۱۱)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾(النساء : ۵۹)

''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو، یہی بہتر اور احسن کام ہے انجام کے اعتبار سے۔''

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: وفي هذه الآيات أنواع من العبر الدّالّة على ضلال من تحاكم إلى غير الكتاب والسّنّة وعلىٰ نفاقه ، وإن زعم أنّه يريد التّوفيق بين الأدلّة الشّرعيّة وبين ما يسمّيه هو عقليّات ، من الأمور المأخوذة عن بعض الطّواغيت من المشركين وأهل الكتاب وغير ذلك من أنواع

الاعتبار . ''ان آیات میں کئی قسم کی عبرتیں ہیں، جو اس شخص کی گمراہی اور اس کے نفاق پر دلیل ہیں، جس نے کتاب وسنت کے علاوہ سے اپنے مسئلے کا فیصلہ کروایا ہے، اگر چہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ شرعی دلائل اور اپنے تئیں عقلیات کے درمیان تطبیق چاہتا ہے۔ یہ وہ امور اور کئی دوسرے اعتبارات ہیں، جو بعض مشرک طاغوتوں اور اہل کتاب سے لیے گئے ہیں۔''(درء تعارض العقل والنقل : ٥٨/١)

علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ (م٧٩٢ھ) لکھتے ہیں: **فالواجب كمال التّسليم للرّسول صلّى اللّه عليه وسلّم والانقياد لأمره ، وتلقّى خبره بالقبول والتّصديق ، دون أن نعارضه بخيال باطل نسمّيه معقولا أو نحمله شبهة أو شكًّا ، أو نقدّم عليه آراء الرّجال ، وذبالة أذهانهم ، فنوحّده بالتّحكيم والتّسليم والانقياد والإذعان ، كما نوحّد المرسل بالعبادة والخضوع والذّل والإنابة والتّوكّل ، فهما توحيدان لا نجاة للعبد من عذاب اللّه الّا بهما ، توحيد المرسل وتوحيد متابعة الرّسول ...**

''چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے لیے کمال تسلیم، آپ کے حکم کے لیے کمال فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی حدیث کو قبولیت وتصدیق کے ساتھ لینا واجب ہے، بغیر اس کے کہ ہم اس کے مقابلے میں کوئی خیالِ باطل لائیں، جسے ہم معقول کا نام دیتے ہوں یا ہم اس میں کوئی شبہ یا شک پیدا کریں یا اس پر لوگوں کی آراء اور ان کے اذہان کے کوڑے کرکٹ کو مقدم کریں، لہٰذا ہم فیصلے، تسلیم، اطاعت اور فرمانبرداری میں رسولِ کریم ﷺ کی توحید کے قائل ہیں، جیسا کہ ہم عبادت، خشوع وخضوع، عاجزی، انابت اور توکل میں آپ ﷺ کو بھیجنے والے (اللہ تعالیٰ) کی توحید کے قائل ہیں۔ یہ دو قسم کی توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بندے کی نجات اس دو قسم کی توحید کے بغیر ممکن نہیں، یعنی بھیجنے والے اللہ کی توحید اور رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کی توحید۔''(شرح العقيدة الطحاوية : ص ١٦٠)

نیز لکھتے ہیں: **ومن المحال أن لا يحصل الشّفاء والهدى ، والعلم واليقين من كتاب اللّه وكلام رسوله ، ويحصل من كلام هؤلاء المتحيّرين ، بل الواجب أن يجعل ما قاله اللّه ورسوله هو الأصل ، ويتدبّر معناه ، ويعقله ، ويعرف برهانه ، ودليله العقليّ والخبريّ السّمعيّ ، ويعرف دلالته على هذا وهذا ، ويجعل أقوال النّاس الّتى توافقه وتخالفه متشابهة مجملة ، فيقال لأصحابها : هذه الألفاظ تحتمل**

كذا و كذا ، فإن أرادوا بها ما يوافق خبر الرّسول قبل ، وإن أرادوا بها ما يخالفه ردّ .

''یہ ناممکن بات ہے کہ شفا، ہدایت اور علم ویقین اللہ ورسول کے کلام سے حاصل نہ ہو اور ان حیران وپریشان لوگوں کی کلام سے حاصل ہو جائے ، بلکہ ضروری ہے کہ اللہ ورسول کے فرمان کو اصل بنایا جائے ،اس کے معنیٰ میں غور وفکر کیا جائے ،اسے سمجھا جائے ،اس کی عقلی اور خبری وسمعی دلیل وبرہان کو پہچانا جائے ،اِس اور اُس کلام پر اس کی دلالت سمجھا جائے اور لوگوں کے وہ اقوال، جو اس کے موافق اور مخالف ہوں، ان کو متشابہ ومجمل قرار دے کر ان کے قائلین سے کہا جائے ، یہ الفاظ اس اس بات کا احتمال رکھتے ہیں ۔اگر انہوں نے رسول ﷺ کی حدیث کے موافق مراد لی ہو تو قبول کر لیا جائے اور اگر ان کی مراد اس کے خلاف ہو تو اسے ردّ کر دیا جائے ۔''(شرح العقيدة الطحاوية : ص ١٦٧)

۞ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْهُ ﴾ (النور : ٦٢/٢٤)

''مؤمن تو وہ لوگ ہیں، جو اللہ ورسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ اس (نبی) کے ساتھ کسی اجتماعی امر میں ہوتے ہیں تو اس وقت تک نہیں جاتے ،جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں ۔''

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فإذا جعل من لوازم الإيمان أنّهم لا يذهبون مذهبا إذا كانوا معه ، إلّا باستئذانه، فأوّل أن يكون من لوازمه أن لا يذهبوا إلى قول ولا مذهب علميّ إلّا بعد استئذانه، وإذنه يعرف بدلالة ما جاء به على أنّه أذن فيه . ''جب یہ بات ایمان کے لوازمات میں سے کر دی گئی ہے کہ وہ جب نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ ہوں تو وہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی طرف نہیں جا سکتے ۔سب لوازم میں سے پہلا تو یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی قول اور علمی راستے کی طرف نہ جائیں ۔آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے اس بارے میں اجازت دی ہے ۔''(اعلام الموقعين عن رب العالمين : ٥١/١۔٥٢)

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الجاثية : ١٨/٤٥) ''پھر ہم نے آپ کو دین کے کھلے راستے پر قائم کر دیا، آپ اس کی پیروی کریں اور جاہل لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں ۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ (م۱۵۷ھ) نے مخلد بن حسین سے کہا: **يا أبا محمّد إذا بلغك عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم حديث فلا تظنن غيره ، ولا تقولن غيره ، فإنّ محمّدا إنّما كان مبلغا عن ربه .** ''اے ابومحمد! جب تجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی حدیث پہنچ جائے تو کسی دوسری بات کا نہ سوچ، نہ اس کے علاوہ کوئی اور بات کہہ، کیونکہ محمد ﷺ تو اپنے ربّ کی طرف سے وحی پہنچائے جاتے تھے۔'' (الفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۱/۱۴۹، وسندہٗ حسنٌ)

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: **أضللت النّاس ! قال : وما ذاك يا عرية ؟ قال : تأمر بالعمرة في هؤلاء العشر ، وليست فيهنّ عمرة ، فقال : أولا تسأل أمّك عن ذلك ؟ فقال عروة : فإنّ أبا بكر وعمر لم يفعلا ذلك ، فقال ابن عبّاس : هذا الّذي أهلككم ـ واللّٰه ـ ما أرى الّا سيعذّبكم ، إنّي أحدّثكم عن النّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم وتجيئوني بأبي بكر وعمر ، فقال : عروة : هما واللّٰه ! كانا أعلم بسنّة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، وأتبع لها منك .**

''آپ نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اے عروہ! کیا بات ہے؟ کہا، آپ ان دس دنوں (عشرۂ ذی الحجہ) میں عمرہ کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ ان میں عمرہ نہیں ہوتا، آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا، کیا آپ اپنی والدہ سے اس بارے میں سوال نہیں کر لیتے؟ عروہ نے کہا، سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کام نہیں کیا، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ کی قسم! اسی چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا ہے، میرے خیال میں اللہ تم پر عذاب نازل کرے گا۔ میں تمہیں نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما (کی بات) کو میرے پاس لاتے ہو؟ عروہ نے کہا، اللہ کی قسم! وہ دونوں رسولِ کریم ﷺ کی سنت کو زیادہ جاننے والے تھے اور اس کی پیروی آپ سے زیادہ کرنے والے تھے۔''

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی: ۱/۱۴۵، وسندہٗ صحیحٌ)

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **قد كان أبو بكر وعمر على ما وصفهما به عروة إلّا أنّه لا ينبغي أن يقلّد أحد في ترك ما ثبتت به سنّة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .** ''سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح تھے، جیسا کہ عروہ نے بیان کیا ہے، مگر کسی کے لیے جائز نہیں کہ کوئی اس چیز کو چھوڑنے میں ان کی بھی تقلید

کرے، جو سنتِ رسول ﷺ سے ثابت ہو جائے۔''

نوٹ: یہ ثابت نہیں کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے ان دس دنوں میں عمرہ سے روکا ہو۔ ایک غیر واجب کام کا نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ وہ اس آدمی کے نزدیک جائز نہیں، اگر شیخین ان دنوں میں عمرہ کو ناجائز بھی سمجھتے ہوں تو اسے مخالفت نہ کہیں گے، بلکہ اسے عدمِ علم پر محمول کریں گے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حدیث پہنچ جانے کے بعد قطعاً مخالفت نہیں کرتے تھے۔

امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کی طرف خط لکھا: **لا رأی لأحد مع سنّة سنّها رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم .** ''اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کی موجودگی میں کسی کی کوئی رائے معتبر نہیں۔'' (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمة : ۹۳۳۵، وسندہٗ صحیحٌ)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کلّما جاء نا رجل أجدل من رجل أرادنا أن نردّ ما جاء به جبریل إلی النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم .**

''جب بھی ہمارے پاس کوئی سخت جھگڑالو شخص آتا ہے، وہ ہم سے اس چیز کو ردّ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، جس کو جبریل علیہ السلام، نبی کریم ﷺ کی طرف لے کر آئے تھے۔''

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب : ۱، وسندہٗ صحیحٌ)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کلّ شیء خالف أمر رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم سقط ، ولا یقوم معه رأی ولا قیاس ، فإنّ اللّٰه تعالیٰ قطع العذر بقول رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فلیس لأحد معه أمر ولا نهی غیر ما أمر هو به .** ''ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرتی ہے، وہ ساقط ہے، اس (حدیثِ رسول) کے مقابلے میں کوئی رائے اور قیاس نہیں ٹھہر سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے قول کے ساتھ اس عذر کو ختم کر دیا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کے امر و نہی کے ساتھ کسی کے لیے کوئی امر، کوئی نہی قبول نہیں۔'' (کتاب الام للشافعی : ۱۹۳/۲)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ومن المعلوم أنّک لا تجد أحدا ممّن یردّ نصوص الکتاب والسّنّة بقوله إلّا وهو یبغض ما خالف قوله ویودّ أنّ تلک الآیة لم تکن نزلت وأنّ ذلک الحدیث لم یرد ، لو أمکنه کشط ذلک من المصحف لفعله .** ''یہ پکی بات ہے کہ آپ کسی ایسے شخص کو نہیں پائیں گے، جو اپنے قول

کے ساتھ کتاب وسنت کی نصوص کو رد کرتا ہے، مگر وہ اپنے قول کے خلاف آنے والی بات کو ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی اور یہ حدیث وارد نہ ہوئی ہوتی۔ اگر اس کے بس میں ہوتو وہ اس آیت کو مصحف سے کھرچ ڈالتا۔'' (درء تعارض العقل والنقل : ۲۱۷/۵)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فمن عرض أقوال العلماء على النّصوص ووزنها بها وخالف منها ما خالف النّص ، لم يهدر أقوالهم ولم يهضم جانبهم ، بل اقتدى بهم ، فإنّهم كلّهم أمروا بذلك ، فمتّبعهم حقّا من امتثل ما أوصوا به ، لا من خالفهم ، فخلافهم فى القول الّذى جاء النّص بخلافه أسهل من مخالفتهم فى القاعدة الكلّية الّتى أمروا ودعوا اليها من تقديم النّص على أقوالهم ومن ههنا يتبيّن الفرق بين تقليد العالم فى كلّ ما قال وبين الاستعانة بفهمه والاستضاءة بنور علمه ، فالأوّل يأخذ قوله من غير نظر فيه ولا طلب لدليله من الكتاب والسّنّة ، بل يجعل ذلك كالحبل الّذى يلقيه فى عنقه يقلّده به ، ولذلك سمّى تقليدا بخلاف ما استعان بفهمه واستضاء بنور علمه فى الوصول إلى الرّسول صلوات اللّٰه وسلامه عليه .**

''جس نے علمائے کرام کے اقوال کو نصوص پر پیش کیا اور نصوص کے ساتھ ان کا وزن کیا، جن کی نصوص نے مخالفت کی، ان کی اس نے بھی مخالفت کی تو اس شخص نے ان اقوال کو رائیگاں قرار نہیں دیا اور نہ ہی ان کی شان میں کوئی کمی کی ہے، بلکہ اس نے تو ان علمائے کرام کی پیروی کی ہے، کیونکہ ان سب نے یہی حکم دیا تھا، لہٰذا ان کا حقیقی پیروکار وہ ہے، جو ان کی وصیت کی تعمیل کرتا ہے، نہ کہ وہ جو ان کی مخالفت کرے۔ ان علمائے کرام کی اس قول میں مخالفت کرنا، جو نصوص کے خلاف آیا ہو، اس سے بہتر ہے کہ نص کو ان کے اقوال پر مقدم کرنے والے قاعدہ کلیہ میں ان کی مخالفت کی جائے، جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اور دعوت دی ہے، اسی بات سے کسی عالم کے ہر قول میں اس کی تقلید کرنے اور اس کے فہم سے مدد اور اس کے علم سے روشنی حاصل کرنے کے درمیان فرق ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم کا شخص عالم کی بات کو بغیر تحقیق اور کتاب وسنت سے دلیل طلب کیے لے لیتا ہے، بلکہ اسے رسی کی طرح اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے اور اس کا پٹہ بنالیتا ہے، اسی لیے اس کا نام تقلید رکھا گیا ہے، برخلاف اس شخص کے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لیے عالم کے فہم سے مدد اور اس کے علم سے نور حاصل کرتا ہے۔'' (الروح لابن القيم : ٢٦٤)

ردِّ بدعات

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدة : ۳/۵)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تنصیصاً و تعلیلاً دینِ اسلام کی تکمیل کی خوشخبری سنائی ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **هذه أكبر نعم الله عزّ وجلّ على هذه الأمّة حيث أكمل تعالى لهم دينهم ، فلا يحتاجون إلى دين غيره ، ولا إلى نبي غير نبيّهم صلوات الله وسلامه عليه ، ولهذا جعله الله تعالىٰ خاتم الأنبياء وبعثه إلى الإنس والجنّ ، فلا حلال ولا إلّا ما أحلّه ، ولا حرام إلّا ما حرّمه ، ولا دين إلّا ما شرعه .** ''یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کا دین مکمل کر دیا ہے، وہ کسی اور دین کی طرف محتاج نہیں، نہ اپنے نبی کے علاوہ کسی نبی کی طرف محتاج ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر جن وانس دونوں کی طرف بھیجا ہے۔ حلال وہی ہے، جس کو آپ ﷺ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے، جس کو آپ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور دین صرف وہی ہے، جسے آپ ﷺ نے مقرر کر دیا ہے۔'' (تفسير ابن كثير : ۴٦۵/۲)

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لقد تركتكم على البيضاء ، ليلها كنهارها ، لا يزيغ بعدی عنها إلّا هالک .

''یقیناً میں نے تم کو ایک واضح راستے پر چھوڑا ہے، جس کی رات اس کے دن ہی کی طرح (واضح) ہے۔ میرے بعد اس سے صرف ہلاک ہونے والا شخص ہی ہٹے گا۔''

(مسند الامام احمد : ۱۲٦/۴، سنن ابن ماجه : ۴۳، السنة لابن ابی عاصم : ۴۸، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ۹٦/۱، وسندهٗ حسنٌ)

دین مکمل ہے، اس میں کمی وبیشی کی گنجائش نہیں۔ بدعت دین میں اضافہ ہے، دین میں اضافہ کفار کی تقلید ہے۔ بدعت دین کے نام پر دین کے خلاف گھناؤنی سازش ہے۔ بدعت اسلام دشمنی کی واضح دلیل ہے۔ بدعت گناہ کی تجارت ہے۔

ہر بدعت ظلمت وضلالت ہے۔ بدعت اتباعِ نفس ہے۔ بدعتِ انہدامِ اسلام ہے۔ ہر بدعت سیئہ اور قبیحہ ہے۔ جس کام کی اصل قرآن وحدیث میں نہ ہو، وہ دین کا کام کیسے ہوسکتا ہے؟

علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فاعلموا أنّ البدعة لا يقبل معها عبادة من صلاة ولا صيام ولا صدقة ولا غيرها من القربات ومجالس صاحبها تنزع منه العصمة ويوكّل إلى نفسه ، والماشي إليه وموقّره معين على هدم الإسلام ، فما الظّنّ بصاحبها ، وهو ملعون على لسان الشّريعة ، ويزداد من اللّه بعبادته بعدا ، وهي المظنّة إلقاء العداوة والبغضاء ، ومانعة من الشّفاعة المحمّديّة ، ورافعة للسّنن الّتي تقابلها ، وعلى مبتدعها إثم من عمل بها ، وليس له توبة ، وتلقى عليه الذّلّة والغضب من اللّه ، ويبعد عن حوض رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم ، ويخاف عليه أن يكون معدودا في الكفّار الخارجين عن الملّة ، وسوء الخاتمة عند الخروج من الدّنيا ، ويسودّ وجهه في الآخرة ، يعذّب بنار جهنّم ، وقد تبرّأ منه رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم ، وتبرّأ منه المسلمون ، ويخاف عليه الفتنة في الدّنيا زيادة إلى عذاب الآخرة...** ’’جان لو کہ بدعت کے ہوتے ہوئے نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ بدعتی کی مجالس سے عصمت چھین لی جاتی ہے، وہ اپنے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بدعت کی طرف چلنے والا اور اس کی توقیر کرنے والا اسلام کو منہدم کرنے پر تعاون کرنے والا ہے۔ اب بدعتی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ تو شریعت کی زبانی ملعون ہے، وہ اپنی عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دُور ہی ہوتا ہے۔ بدعت دشمنی وبغاوت ڈالنے کا سبب، محمد ﷺ کی شفاعت کو روکنے والی اور اپنے مقابلے میں آنے والی سنتوں کو ختم کرنے والی ہوتی ہے۔ اس کو ایجاد کرنے والے پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا، جو اس پر عمل کریں گے۔ اس کے لیے کوئی توبہ نہیں ہوگی۔ اس پر ذلت اور اللہ تعالیٰ کا غضب ڈال دیا جائے گا، وہ رسولِ کریم ﷺ کے حوض سے دُور کردیا جائے گا، اس کے

بارے میں ڈر ہے کہ وہ اسلام سے خارج کفار میں شمار ہو جائے اور دنیا سے جاتے ہوئے سوئے خاتمہ کا شکار ہو جائے۔ آخرت میں اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اسے جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا ہے، مسلمان بھی اس سے بری ہیں۔ ڈر ہے کہ آخرت کے عذاب کے ساتھ ساتھ اسے دنیا میں بھی کوئی بڑا فتنہ آن لے۔''

(الاعتصام للشاطبی : ۱۰۶/۱۔۱۰۷)

فقیہ الامت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **إنّ أحسن الحديث كتاب الله ، وأحسن الهدى هدى محمّد صلّى الله عليه وسلّم ، وشرّ الأمور محدثاتها ، وإنّ الشّقيّ من شقي في بطن أمّه ، وإنّ السّعيد من وعظ بغيره ، فاتّبعوا ولا تبتدعوا .**

''بلاشبہ بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، بدترین کام بدعت کے کام ہیں۔ بدبخت وہی ہے، جو اپنے ماں کے پیٹ میں بدبخت ہو گیا تھا (تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا) اور نیک بخت وہ ہے، جو اپنے غیر کے ساتھ نصیحت کیا جائے، لہٰذا تم اتباع کرو، بدعت ایجاد نہ کرو۔''(الاعتقاد للبیهقی : ۳۰۶، وسندهٗ صحیحٌ)

امام ربانی شیخ الاسلام ثانی ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فإن السّنّة بالذّات تمحق البدعة ، ولا تقوم لها ، وإذا طلعت شمسها في قلب العبد قطعت من قلبه ضباب كلّ بدعة وأزالت ظلمة كلّ ضلالة ، إذ لا سلطان للظّلمة مع سلطان الشّمس ، ولا يرى العبد الفرق بين السّنّة والبدعة ، ويعينه على الخروج من ظلمتها إلى نور السّنّة إلّا المتابعة والهجرة بقلبه كلّ وقت إلى الله بالاستعانة والإخلاص وصدق اللّجإ إلى اللّه والهجرة إلى رسوله بالحرص على الوصول إلى أقواله وأعماله وهديه وسننه ، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ، ومن هاجر إلى غير ذلك فهو حظّه ونصيبه في الدّنيا والآخرة . والله المستعان !**

''سنت خود بخود بدعت کو ختم کرتی ہے، بدعت، سنت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جب سنت کا سورج کسی بندے کے دل میں طلوع ہو جاتا ہے تو اس کے دل سے ہر بدعت کی دھند کو ختم کر دیتا ہے اور ظلمت کے ہر اندھیرے کو زائل کر دیتا ہے، کیونکہ سورج کی طاقت کے سامنے ظلمت کی طاقت کوئی

حیثیت نہیں رکھتی۔ آدمی سنت اور بدعت میں کوئی فرق نہیں سمجھتا، اسے بدعت کی ظلمت سے سنت کی روشنی کی طرف صرف یہی بات لے جاسکتی ہے کہ آدمی سنت کی پیروی کرے، اپنے دل کو ہر وقت سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے استعانت، اخلاص اور سچی تڑپ میں رکھے اور سب کچھ چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال، آپ ﷺ کی سنت اور آپ کے طریقے کی تلاش میں رہے۔ (سب کچھ چھوڑ کر) جس آدمی کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہوئی، اس کی ہجرت مقبول ہوگی اور جس نے کسی غیر کی طرف ہجرت کی تو دنیا وآخرت وہی اس کا نصیب وحصہ ہے۔''

(مدارج السالکین لابن القیم : ۳۷۴/۱)

بدعت بے اصل اور بے ثبوت کام کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ **وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ** ﴾ (الاسراء : ۳۶/۱۷)

''اور آپ اس چیز کے پیچھے نہ پڑیں، جس کا آپ کو علم نہیں۔''

مزید فرمایا: ﴿ **إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى** ﴾ (النجم : ۲۳/۵۳)

''وہ تو صرف ظن اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آئی ہے۔''

علم تو قرآن وحدیث ہے۔ جس دین کے ثبوت پر دلیل شرعی نہ ہو، وہ بغیر علم کے ہوا اور وہ بدعت ہے۔ بدعت نفس پرستی کا نتیجہ ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ **قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ** ﴾ (المائدۃ : ۷۷/۵)

''(اے نبی! کہہ دیجیے) اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی راہ پر چلو، جو پہلے خود گمراہ ہوئے اور پھر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

نیز فرمایا: ﴿ **وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** ﴾ (الانعام : ۱۱۹/۶)

''اور بے شک بہت سے لوگ اپنی خواہشات کے ساتھ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں۔''

یہ آیتِ کریمہ بدعتی کی مذمت کرتی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے بغیر دین میں بدعت جاری

کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

مزید فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴾ (النحل: ٢٥/١٦)

''تا کہ وہ روزِ قیامت اپنے پورے بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی، جن کو انہوں نے بغیر علم کے گمراہ کیا، خبر دار برا ہے جو وہ بوجھ اٹھائیں گے۔''

بدعتی، بدعت کا وبال سر پر اٹھائے گا، بدعت کو رائج کرنے کا وبال بھی اس کے سر ہوگا۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومعلوم أنّ كلّما لم يسنّه ولا استحبّه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ولا أحد من هؤلاء الّذين يقتدى بهم المسلمون يكون من البدع المنكرات ، ولا يقول أحد فى مثل هذا : إنّه بدعة حسنة ، إذ البدعة الحسنة عند من يقسم البدع إلى حسنة وسيّئة لابدّ أن يستحبّها أحد من أهل العلم الّذين يقتدى بهم ، ويقوم دليل شرعيّ على استحبابها ، وكذلک من يقول : البدعة الشّرعيّة كلّها مذمومة لقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم فى الحديث الصّحيح : ((كلّ بدعة ضلالة)) ويقول عمر فى التّراويح : نعمة البدعة هذه ، إنّما سمّاها بدعة باعتبار وضع اللّغة ، فالبدعة فى الشّرع عند هؤلاء ما لم يقم دليل شرعيّ على استحبابه ، ومآل القولين واحد ، إذ هم متفقون على أنّ ما لم يستحبّ أو يجب من الشّرع فليس بواجب ولا مستحبّ ، فمن اتّخذ عملا من الأعمال عبادة ودينا ، وليس ذلک فى الشّريعة واجبًا ولا مستحبًا فهو ضالّ باتّفاق المسلمين ... ''یہ بات تو معلوم ہے کہ ہر وہ چیز جسے اللہ کے رسول ﷺ نے جاری نہیں کیا، نہ اسے پسند کیا ہے اور نہ ہی اسے کسی اس شخص نے پسند کیا ہے، جن کی مسلمان اپنے دین میں پیروی کرتے ہیں، وہ منکر بدعات میں سے ہے، کوئی بھی اس طرح کی بات کو بدعتِ حسنہ نہیں کہتا، کیونکہ جو شخص بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کرتا ہے، اس کے نزدیک بدعتِ حسنہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان اہل علم میں سے کوئی اس کو مستحب قرار دے، جن کی پیروی کی جاتی ہے، نیز اس کے استحباب پر کوئی دلیل شرعی قائم ہو۔ اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ صحیح حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کے اس

فرمان کی وجہ سے ہر شرعی بدعت مذموم ہے: **((كلّ بدعة ضلالة))** (ہر بدعت گمراہی ہے)، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تراویح کے بارے میں جو فرماتے ہیں کہ یہ اچھی بدعت ہے، اس کا نام انہوں نے لغت کی وضع کے اعتبار سے رکھا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک شریعت میں ہر وہ کام بدعت ہے، جس کے استحباب پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو۔ دونوں اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے، کیونکہ سب اس بات پر تو متفق ہیں کہ شریعت میں جو کام واجب یا مستحب نہیں، وہ واجب یا مستحب نہیں ہوسکتا، چنانچہ جس نے کسی ایسے عمل کو اختیار کیا، جو شریعت میں واجب یا مستحب نہیں ہے تو ایسا شخص باتفاق المسلمین گمراہ ہے۔'' (مجموع الفتاوی لابن تيمية : ١٥٢/٧)

❁❁❁❁❁❁❁

عبرت !

سعید بن عمرو البرذعی بیان کرتے ہیں:

''میں امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (١٩٤۔٢٦٤ھ) کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ رحمہ اللہ سے حارث محاسبی اور اس کی کتابوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے سائل کو فرمایا، تُو ان کتابوں سے بچ جا، یہ بدعت وضلالت پر مبنی کتابیں ہیں۔ حدیث کو لے، تُو اس میں ان کتابوں سے کفایت پائے گا۔ آپ سے کہا گیا، ان کتابوں میں عبرت موجود ہے۔ فرمایا، جس کے لیے اللہ کی کتاب میں سامانِ عبرت نہ ہو، اس کے لیے ان کتابوں میں بھی کوئی عبرت نہیں۔ کیا تمہارے پاس یہ بات نہیں پہنچی کہ امام مالک بن انس، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی اور ائمہ متقدمین رحمہم اللہ نے ان کتابوں کو خطرات و وساوس میں شمار کیا ہے؟

یہ لوگ کبھی ہمارے پاس حارث محاسبی (کی کتب) لاتے ہیں، کبھی عبدالرحیم دیبلی (کی کتب) کو، کبھی حاتم اصم کو اور کبھی شقیق کو، پھر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا، لوگ کس قدر جلدی بدعتی ہو گئے ہیں۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ٢١٥/٨، وسندہٗ صحیحٌ)

❁❁❁❁❁❁❁

قرآن خوانی کی شرعی حیثیت

قریب الموت، میت اور قبر پر قرآن پڑھنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں اس کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا۔ تیجہ، قُل، جمعرات کا ختم اور چہلم وغیرہ بدعات ورسومات ہیں۔

واضح رہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع سے ایصالِ ثواب کی جو صورتیں ثابت ہیں، مثلاً دعا، صدقہ وغیرہ، ہم ان کے قائل وفاعل ہیں۔ قرآن خوانی کے ثبوت پر کوئی دلیل شرعی نہیں، لہٰذا بدعت ہے۔ اہل بدعت نے اسے شکم پروری کا بہترین ذریعہ بنا کر اپنے دین کا حصہ بنالیا ہے۔

مبتدعین کے مزعومہ دلائل کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ①: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں سے ہوا، ان کو عذاب ہو رہا تھا، ان میں سے ایک اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔

ثمّ أخذ جريدة رطبة ، فشقّها بنصفين ، ثمّ غرز في كلّ قبر واحدة ، قالوا : يا رسول اللّٰه ! لم صنعت هذا ؟ فقال : لعلّه أن يخفّف عنهما ما لم ييبسا ...

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لی، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا، پھر ہر قبر پر ایک کو گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا، شاید کہ جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کردے۔''

(صحیح بخاری : ۱۸۲/۱، ح : ۱۳۶۱، صحیح مسلم : ۱۴۱/۱، ح : ۲۹۲)

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **استحبّ العلماء قراءة القرآن لهذا الحديث ، لأنّه إذا كان يرجى التّخفيف بتسبيح الجريد ، فتلاوته أولىٰ ، واللّٰه أعلم !**

''اس حدیث سے علمائے کرام نے قرآنِ کریم کی تلاوت کو مستحب سمجھا ہے، کیونکہ جب ٹہنی کی تسبیح کی وجہ سے عذاب میں تخفیف کی امید کی جاتی ہے تو قرآنِ کریم کی تلاوت بالاولی ایسے ہوگی۔ **واللہ اعلم!**'' (شرح صحیح مسلم للنووی : ۱۴۱/۱)

تبصرہ: اس حدیث سے قرآن خوانی کے ثبوت پر استدلال جائز نہیں، کیونکہ

خیر القرون میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں، نیز اس میں کہیں ذکر نہیں کہ عذاب میں تخفیف ان ٹہنیوں کی تسبیح کی وجہ سے ہوئی، لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے، نیز یہ نبیٔ اکرم ﷺ کا خاصہ تھا۔ عذاب میں یہ تخفیف نبیٔ اکرم ﷺ کی دعا و شفاعت کی وجہ سے ہوئی، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إنّي مررت بقبرين يعذّبان ، فأحببت بشفاعتي أن يرفّه ذاك عنهما ، ما دام الغصنان رطبين .** ''میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گزرا، جن (کے مردوں) کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ میں نے اپنی شفاعت کی وجہ سے چاہا کہ یہ عذاب ان سے ہلکا ہو جائے، جب تک دونوں ٹہنیاں تر رہیں۔''

(صحیح مسلم : ٤١٨/٢، ح : ٣٠١٢)

ان دو مختلف واقعات میں علت ایک ہی ہے۔ اسی طرح ایک تیسرا واقعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (صحیح ابن حبان : ٨٢٤، وسندہٗ حسنٌ)

نیز دیکھیں : (مصنف ابن ابی شیبۃ : ٣٧٦/٣، مسند الامام احمد : ٤٤١/٢، عذاب القبر للبیہقی : ١٢٣، وسندہٗ حسنٌ)

فائدہ : مورّق العجلی کہتے ہیں: **أوصىٰ بريدة الأسلميّ أن توضع في قبره جريدتان ، فكان مات بأدنى خراسان ، فلم توجد إلّا في جوالق حمار .**

''سیدنا بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو ٹہنیاں رکھی جائیں، آپ رضی اللہ عنہ خراسان کے علاقے میں فوت ہوئے، وہاں یہ ٹہنیاں صرف گدھوں کے چھٹوں میں ملیں۔''

(الطبقات لابن سعد : ٨/٧، وسندہٗ صحیحٌ ان صحّ سماع مورق عن بریدۃ)

بشرطِ صحت یہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی اپنی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے قبر پر دو ٹہنیاں رکھنے کا حکم دیا تھا، نبیٔ اکرم ﷺ کی طرح عذاب سے تخفیف کی غرض سے گاڑنے کا حکم نہیں دیا۔

فائدہ : سیدنا ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ والی روایت (تاریخ بغداد : ١٨٢/١۔١٨٣) ''ضعیف'' ہے۔ اس کے دو راویوں الشاہ بن عمار اور النضر بن المنذر بن ثعلبہ العبدی کے حالات نہیں مل سکے، دوسری بات یہ ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں۔ ان کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی سے

سماع ثابت نہیں۔(جامع التحصیل فی احکام المراسیل : ۲۵۵)

دلیل نمبر ②: سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اقرأوا علی موتاکم یٰسین .**

''**اپنے قریب المرگ لوگوں پر سورۂ یٰسٓ کی قرائت کرو۔**''(مسند الامام احمد : ۲٦/۵، سنن ابی داوٗد : ۳۱۲۱، السنن الکبریٰ للنسائی : ۱۰۹۱٤، سنن ابن ماجہ : ۱٤٤۸)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان(۳۰۰۲)**اور امامِ حاکم**(اتحاف المھرۃ لابن حجر) رحمہما اللہ **نے ''صحیح''** کہا ہے۔

یہ امام ابنِ حبان اور امامِ حاکم کا تساہل ہے، جبکہ اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کی سند میں ابوعثمان کے والد، جو کہ ''مجہول'' ہیں، ان کی زیادت موجود ہے۔ یہ ''المزید فی متصل الاسانید'' ہے۔ ابوعثمان نے سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہوئی۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أراد به من حضرته المنيّة لا أنّ الميّت يقرأ عليه ، و كذلک قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((لقّنوا موتاكم : لا إله إلّا اللّٰه)) .**

''**اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب الموت شخص مراد لیا ہے، نہ کہ میت پر قرآن پڑھا جانا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو (یہ بھی قریب المرگ کے لیے ہے، میت کے لیے نہیں)۔**''

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔(الروح لابن القیم : ص ۱۱)

فائدہ نمبر ①: **قال صفوان (بن عمرو): حدّثني المشيخة أنّهم حضروا غضيف بن الحارث الثّمالي ، قال : فكان المشيخة يقولون : إذا قرأت عند الميّت (يعني يٰسٓ) خفّف عنه بها .** ''**صفوان بن عمرو نے کہا، مجھے بوڑھوں نے خبر دی کہ وہ غضیف بن حارث ثمالی کے پاس حاضر ہوئے، وہ بوڑھے کہتے تھے کہ جب تو میت کے پاس سورۂ یٰس کی قرائت کرے گا تو اس کی وجہ سے میت کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔**''(مسند الامام احمد : ۱۰۵/٤)

یہ بوڑھے نامعلوم ہیں، لہٰذا سند ''مجہول'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

اس لیے حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ : ۱۸٤/۳) **کا اس کی سند کو ''حسن'' قرار**

دینا صحیح نہیں۔

فائدہ نمبر ②: سیدنا ابو الدرداء اور سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من میّت یموت ، فیقرأ عنده یٰسٓ إلّا هوّن اللّٰه عزّ وجلّ علیه .

''جو میت مرتی ہے اور اس پر سورۂ یٰس کی قرائت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کر دیتے ہیں۔'' (مسند الفردوس : ٦٠٩٩، التلخیص الحبیر لابن حجر : ١٠٤/٢)

اس کی سند ''موضوع'' (من گھڑت) ہے۔ اس میں مروان بن سالم الغفاری ''متروک ووضاع'' ہے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی قبرستان سے گزرے اور سورۂ اخلاص اکیس مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو اس کو تمام مردوں کی گنتی کے برابر ثواب دیا جائے گا۔'' (تاریخ قزوین : ٢٩٧/٢)

تبصرہ : یہ سخت ترین ''ضعیف'' روایت ہے، اس کے راوی داؤد بن سلیمان الغازی کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کذّبه یحیی بن معین ، ولم یعرفه أبو حاتم ، وبکلّ حال فهو شیخ کذّاب ، له نسخة موضوعة عن علیّ بن موسیٰ الرّضا ، رواها علیّ بن محمّد بن مهرویه القزوینیّ الصّدوق عنه .

''اسے امام یحییٰ بن معین نے کذاب کہا ہے، امام ابوحاتم نے ان کو نہیں پہچانا۔ بہر حال وہ جھوٹا شیخ ہے۔ اس کے پاس علی بن موسیٰ الرضا کا ایک من گھڑت نسخہ تھا، جسے علی بن محمد بن مہرویہ صدوق نے اس سے بیان کیا ہے۔'' (میزان الاعتدال للذہبی : ٨/٢)

اس درجہ کے راویوں کی روایت سے حجت پکڑنا اہل بدعت ہی کی شان ہے!

دلیل نمبر ④ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی قبرستان میں داخل ہوا اور سورۂ یٰسٓ تلاوت کرے تو ان قبرستان والوں

سے اللہ تعالیٰ عذاب میں تخفیف فرماتا ہے اور پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے مطابق نیکیاں ملیں گی۔''(شرح الصدور للسیوطی : ص ٤٠٤)

تبصرہ : یہ روایت جھوٹ کا پلندہ ہے۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے اس کی یہ سند ذکر کی ہے: **أخرجه الثّعلبیّ فی تفسیره (٣/١٦١/٢) من طریق محمّد بن أحمد الرّیاحی ، حدّثنا أبی ، حدّثنا أیّوب بن مدرک عن أبی عبیدة عن الحسن عن أنس بن مالک** ... (السلسلة الضعیفة : ١٢٤٦)

① اس کے راوی ایوب بن مدرک کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ''کذاب''، امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''متروک''، امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ، امام یعقوب بن سفیان جوزجانی رحمہ اللہ، امام صالح بن محمد جزرہ اور امام ابنِ عدی رحمہ اللہ وغیرہم نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **روی أیوب بن مدرک عن مکحول نسخة موضوعة ولم یرهٔ .** ''ایوب بن مدرک نے امام مکحول سے ایک من گھڑت نسخہ روایت کیا ہے، ان کو دیکھا نہیں۔''(لسان المیزان لابن حجر : ٤٨٨/١)

اس کے حق میں ادنیٰ کلمہ توثیق ثابت نہیں۔

② احمد بن ابی العوام الریاحی اور ابوعبیدہ کی توثیق مطلوب ہے۔

③ امام حسن بصری ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔ سماع کی تصریح نہیں ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی قبرستان میں گیا اور پھر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور سورۃ التکاثر پڑھے، پھر یوں کہے، اے اللہ! جو میں نے تیرے کلام میں سے پڑھا، اس کا ثواب اس قبرستان والے مؤمن مردوں، مؤمن عورتوں کو پہنچا تو وہ تمام اس کی سفارش اللہ تعالیٰ کے ہاں کریں گے۔''

(فوائد لابی القاسم سعد بن علی الزنجی ، بحواله شرح الصدور للسیوطی : ص ٤٠٤)

تبصرہ : یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

دلیل نمبر ⑥ : حماد مکی نے کہا کہ ایک رات کو میں مکہ شریف کے قبرستان میں

گیا اور ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، میں نے دیکھا کہ قبروں والے حلقوں میں تقسیم ہو کر کھڑے ہیں۔ میں نے کہا، کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں، لیکن ایک آدمی نے ہمارے بھائیوں میں سے سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخش دیا۔ ہم ایک سال سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں۔

(شرح الصدور للسیوطی : ص ٤٠٤)

تبصرہ : یہ بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع (من گھڑت) اور باطل ہے۔ حماد نامعلوم ہے۔ نامعلوم آدمی کا بے سند خواب اہل بدعت کی دلیل بن گیا ہے!

دلیل نمبر ⑦ : الحسن بن الہیثم کہتے ہیں کہ خطاب (نامی شخص) میرے پاس آیا اور مجھے کہا کہ جب تو قبرستان جائے تو سورۂ اخلاص پڑھ اور اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخش دے۔

(الامر بالمعروف والنهی عن المنکر للخلال : ٢٥٢)

تبصرہ : یہ سخت ''ضعیف'' قول ہے۔ اس کے راوی الحسن بن الہیثم کی توثیق مطلوب ہے۔ خطاب نامی شخص کے حالات اور توثیق وعدالت کا ثبوت فراہم کیا جائے۔

دلیل نمبر ⑧ : ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ قبرستان میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (الامر بالمعروف والنهی عن المنکر للخلال : ٢٤٥)

تبصرہ : یہ قول سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس میں شریک بن عبداللہ القاضی ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، سماع کی تصریح ثابت نہیں ہے۔

② الری نامی راوی کی تعیین وتوثیق مطلوب ہے۔

③ یہ لوگ ابراہیم نخعی کے مقلد ہیں یا ---- انہیں چاہیے کہ اپنے امام سے باسندِ ''صحیح'' اس کا جواز پیش کریں۔

نامعلوم لوگوں کے بے سند خواب پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

دلیل نمبر ⑨ : الحسن (بن عبدالعزیز) الجروی کہتے ہیں کہ میں اپنی ہمشیر کی قبر پر گیا اور وہاں میں نے سورۂ تبارك الذی پڑھی۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ میں نے تمہاری ہمشیر کو خواب میں دیکھا ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری طرف سے میرے بھائی کو جزائے خیر عطا

فرمائے۔ جو اس نے پڑھا تھا، میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

(الامر بالمعروف والنهی عن المنكر للخلال : ص ٢٤٦)

تبصرہ : اس خواب کے راوی ابو یحییٰ الناقد کی توثیق چاہیے۔ نیز امتی کے خواب شرعی حجت نہیں ہوتے۔

دلیل نمبر ⑩ : الحسن بن الصباح کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ قبرستان میں قبروں پر قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ تو فرمایا، کوئی حرج نہیں۔

تبصرہ : اس میں ایصالِ ثواب کا ذکر تک نہیں ہے۔ اگرچہ قبر پر قرآنِ کریم کی تلاوت کے جواز پر بھی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔

دلیل نمبر ⑪ : خیثم نے وصیت کی کہ ان کو قبرستان میں دفن کیا جائے تو ان کی قوم ان پر قرآن پڑھے۔ (الزهد للامام احمد : ٢١٢٢)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس میں سفیان ثوری ''مدلس'' ہیں، جو کہ ''عن'' کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ سماع کی تصریح ثابت نہیں، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے۔

② اس میں رجل مبہم موجود ہے۔

دلیل نمبر ⑫ : سلمہ بن شبیب کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس آیا، وہ نابینا امام، جو کہ قبرستان میں قرآن پڑھتا تھا، کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔''

(الامر بالمعروف والنهی عن المنكر للخلال : ص ٢٤٧)

تبصرہ : یہ قول ثابت نہیں۔ اس کے راوی العباس بن محمد بن احمد بن عبدالعزیز کی توثیق نہیں مل سکی۔

الحاصل : قرآن خوانی شرعی دلائل سے ثابت نہیں ہے۔ سلف صالحین میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ یہ بعد کے بدعتیوں کی ایجاد ہے، جو انہوں نے شکم پروری کے لیے جاری کی ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

امام ابوحنیفہ، امام یحییٰ بن معین کی عدالت میں!

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۱۵۸۔۲۳۳ھ) سے امام ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے متعلق جو اقوال وارد ہوئے ہیں، ان پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

① احمد بن صلت حمانی کہتے ہیں کہ جب ابوحنیفہ کے بارے میں امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے تو آپ نے کہا: **نعم ، ثقة ، ثقة ، كان واللّٰه أورع من أن يكذب ، وهو أجلّ قدرا من ذلك .** ''ہاں، وہ ثقہ ہیں، ثقہ ہیں۔ وہ جھوٹ بولنے سے بری تھے، ان کی شان اس (جھوٹا ہونے) سے بلند تھی۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : ۱۳/۴۴۹۔۴۵۰)

تبصرہ : یہ قول موضوع (من گھڑت) ہے۔ یہ احمد بن صلت کی کارستانی ہے، جو بالاجماع جھوٹا اور وضاع (من گھڑت روایات بیان کرنے والا) تھا۔ اس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يضع الحديث .** ''یہ اپنی طرف سے حدیث گھڑتا تھا۔''

(الضعفاء والمتروکون : ۵۹)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کی بھی اس کے بارے میں یہی رائے ہے۔ (المجروحین : ۱/۱۵۳)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وما رأيت فى الكذّابين أقلّ حياء منه .**

''جھوٹے لوگوں میں سے میں نے اس سے بڑھ کر کم حیا والا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔''

(الکامل لابن عدی : ۱/۱۹۹)

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: **حدّث بأحاديث ، أكثرها باطلة هو وضعها ، ويحكى أيضا عن بشر بن الحارث ويحيى بن معين وعلىّ ابن المدينىّ أخبارا جمعها بعد أن وضعها فى مناقب أبى حنيفة .**

''اس نے بہت سی ایسی احادیث بیان کی ہیں، جن میں سے اکثر اس نے خود گھڑی ہیں، نیز یہ بشر بن الحارث، امام یحییٰ بن معین اور امام علی بن المدینی رحمہم اللہ سے منسوب اقوال خود گھڑ کر امام ابوحنیفہ

کے مناقب میں بیان کرتا تھا۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ۳۳/۵)

② احمد بن عطیہ، یعنی احمد بن صلت راوی کہتا ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

كان أبو حنيفة ثقة ، صدوقا فى الحديث و الفقه ، مأمونا على دين الله .

''امام ابوحنیفہ ثقہ تھے، حدیث اور فقہ میں صدوق تھے اور اللہ کے دین پر مامون تھے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : ۴۵۰/۱۳)

تبصره : اس کی سند میں وہی احمد بن صلت جھوٹا اور من گھڑت احادیث واقوال بیان کرنے والا راوی موجود ہے، جس کا ذکر پیچھے ہم کر آئے ہیں۔ امام خطیب رحمہ اللہ یہ قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **أحمد بن الصّلت هو أحمد بن عطيّة ، و كان غير ثقة .**

''احمد بن صلت دراصل احمد بن عطیہ ہے اور وہ ثقہ نہیں تھا۔''

③ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: **كان أبو حنيفة ثقة ، لا يحدّث بالحديث إلّا ما حفظ ، و لا يحدّث بما لا يحفظ .** ''امام ابوحنیفہ ثقہ تھے، صرف وہ حدیث بیان کرتے، جو یاد ہوتی اور جو یاد نہ ہوتی، وہ بیان نہ کرتے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ۳۱۹/۱۳)

تبصره : ① اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کے راوی محمد بن احمد بن عصام کے حالات نہیں مل سکے۔ نامعلوم لوگوں کی روایتیں قبول کرنا دین سے خیرخواہی نہیں۔

② اس قول کے دوسرے راوی محمد بن سعد العوفی کے بارے میں خود امام خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كان ليّنا فى الحديث .** ''وہ حدیث میں کمزور تھا۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : ۳۲۲/۵)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا بأس به .** ''اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(سوالات الحاکم للدارقطنی : ۱۷۸)

④ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: **كان أبو حنيفة لا بأس به ، و كان لا يكذب .** ''ابوحنیفہ میں کچھ حرج نہیں، وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔'' (تاریخ بغداد : ۳۱۹/۱۳)

تبصره : ① اس قول کی سند مردود و باطل ہے۔ اس کے راوی احمد بن محمد بن القاسم ابن محرز کی توثیق ثابت نہیں۔ جس کی اپنی توثیق ثابت نہ ہو، اس کی روایت سے کسی کی توثیق کیسے ثابت

ہو سکتی ہے؟

⑤ نیز کہتے ہیں: أبو حنيفة عندنا من أهل الصّدق ، ولم يتّهم بالكذب .

''ابوحنیفہ ہمارے ہاں اہل صدق میں سے ہیں، جھوٹ کا الزام ان پر نہیں لگایا گیا۔''

(سوالات ابن محرز : ۲۴۰، تاریخ بغداد : ۳۱۹/۱۳)

تبصرہ : اس قول کی سند بھی مردود و باطل ہے، کیونکہ اس میں وہی علت پائی جاتی ہے، جو اس سے پہلے قول میں تھی کہ احمد بن محمد بن القاسم بن محرز راوی کی توثیق ثابت نہیں۔

⑥ امام یحییٰ بن معین سے ایک آدمی نے کہا کہ کیا ابوحنیفہ ''کذاب'' ہے؟ تو آپ نے فرمایا: كان أبو حنيفة أنبل من أن يكذب ، كان صدوقا إلّا أنّ في حديثه ما في حديث الشّيوخ . ''ابوحنیفہ جھوٹ بولنے سے پاک تھے، وہ سچے تھے، مگر ان کی حدیث میں (خرابی تھی)، جو کہ (بعض) شیوخ کی حدیث میں ہوتی ہے۔'' (تاریخ بغداد : ۳۱۹/۱۳)

تبصرہ : اس قول کی سند جھوٹی ہے۔ اس کا راوی احمد بن عبدالرحمٰن بن الجارود الرقی ''کذاب'' ہے، جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: فانّه كذّاب .

''وہ سخت جھوٹا آدمی ہے۔'' (تاریخ بغداد : ۲۴۷/۲، ترجمة محمد بن الحسين البسطامي)

ابنِ طاہر کہتے ہیں: كان يضع الحديث ، ويركّبه على الأسانيد المعروفة .

''یہ حدیث خود گھڑ کر اسے معروف سندوں سے جوڑ دیتا تھا۔'' (لسان الميزان : ۲۱۳/۱)

⑦ جعفر بن محمد بن ابی عثمان الطیالسی کہتے ہیں کہ ہم نے امام یحییٰ بن معین سے سنا اور میں نے ان سے ابویوسف اور ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا: أبو يوسف أوثق منه في الحديث ، قلت : فكان أبو حنيفة يكذب ؟ قال : كان أنبل في نفسه من أن يكذب . ''ابو یوسف حدیث میں ابوحنیفہ سے ثقہ ہے، میں نے عرض کیا، کیا ابوحنیفہ جھوٹ بولتے تھے؟ فرمایا، وہ جھوٹ بولنے سے پاک تھے۔'' (تاریخ بغداد : ۱۳/ ، وسندہٗ صحیحٌ)

تبصرہ : امام یحییٰ بن معین کے اس صحیح قول سے امام ابوحنیفہ کی ثقاہت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ امام یحییٰ بن معین کے نزدیک ابویوسف (ضعيف عند الجمهور) کی توثیقِ نسبی ہے۔

توثیقِ نسبی میں اصول یہ ہوتا ہے کہ جس کی نسبت سے کسی کو اوثق قرار دیا گیا ہو، اسی امام کے

نزدیک اس کا مرتبہ بھی معلوم کرلیا جاتا ہے، پھر راوی پر اس کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔ اب ابو یوسف کی توثیق نسبی کا مرتبہ معلوم کرنے لیے اصولی طور پر چاہیے کہ امام یحییٰ بن معین کے دوسرے اقوال سے امام ابوحنیفہ کا حکم معلوم کرلیا جائے، اگر وہ ثقہ ہیں تو ابو یوسف ان سے بڑھ کر ثقہ ہوں گے اور اگر وہ ''ضعیف'' ہیں تو امام ابو یوسف ان سے ''ضعف'' میں کچھ کم ہوں گے۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں کہ ایک راوی اسد بن عمرو ابوالمنذر البجلی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أسد بن عمرو أوثق من نوح بن درّاج .**

''اسد بن عمرو، نوح بن دراج سے ثقہ ہے۔'' (الجرح والتعدیل: ۳۳۷/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ نوح بن دراج ''کذاب ومتروک'' راوی ہے، خود امام یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے: **نوح بن درّاج ليس بثقة ، كان كذّابا ضعيفا .**

''نوح بن دراج ثقہ نہیں ہے، بلکہ وہ تو سخت جھوٹا اور ضعیف ہے۔''

(الجرح والتعدیل: ۴۸۴/۸، وسندہٗ صحیحٌ)

لہٰذا یہاں اسد بن عمرو کو نوح بن دراج سے اوثق کہنے سے نہ نوح بن دراج کی توثیق لازم آئی ہے اور نہ ہی اسد بن عمرو ثقہ ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسد بن عمرو کا ضعف نوح بن دراج سے کچھ کم ہے، یعنی وہ ''کذاب'' نہیں، بلکہ ''ضعیف'' ہے۔

اصولِ حدیث کے مطابق جب امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے دوسرے ''صحیح'' اقوال کو دیکھا جائے تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کے نزدیک امام ابوحنیفہ ''ضعیف'' تھے، جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بیان کرنے والے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر امام یحییٰ بن معین کے اس قول سے امام ابوحنیفہ کی توثیق ثابت ہو رہی تھی تو شاگرد کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ کیا امام ابوحنیفہ جھوٹ بولتے تھے؟ کیا ثقہ آدمی جھوٹ بھی بول سکتا ہے؟

اب تو قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے اس قول سے امام ابوحنیفہ کی توثیق کشید کرنا نہایت ہی بے اصولی اور فنِ رجال سے مطلق جہالت کا شاہکار ہے۔

⑧ حافظ مزی رحمہ اللہ (۶۵۴۔۷۴۲ھ) لکھتے ہیں: **وقال صالح بن محمّد**

الأسدی (جزرة) (۲۰۵۔۲۹۳ھ) سمعت یحیی بن معین یقول : کان أبو حنیفة ثقة فی الحدیث . ''صالح بن محمد جزرہ نے کہا کہ میں نے امام یحییٰ بن معین کو سنا، وہ فرمارہے تھے کہ ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں۔'' (تہذیب الکمال للمزی : ۱۰۵/۱۹)

تبصرہ : یہ قول بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

اقوالِ تضعیف و جرح

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی امام ابوحنیفہ پر جرح ثابت ہے۔

① **لا یکتب حدیثه .** ''ابوحنیفہ کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔''

(الکامل لابن عدی : ۶/۷، وفی نسخة : ۲۴۷۳/۷، تاریخ بغداد للخطیب : ۴۵۰/۱۳، المنتظم لابن الجوزی : ۱۳۴/۸، وسندهٗ صحیحٌ)

(ا) اس کے راوی علی بن احمد بن سلیمان المصری، المعروف بعلان (۲۲۷۔۳۱۰ھ) کے بارے میں امام ابن یونس کہتے ہیں: **وکان ثقة کثیر الحدیث ، وکان أحد کبراء العدول .** ''آپ ثقہ کثیر الحدیث تھے اور بڑے بڑے عادل لوگوں میں سے ایک تھے۔''

(سیر اعلام النبلاء للذہبی : ۴۹۶/۱۴)

خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: **الإمام المحدّث العدل .** ''امام، محدث، عادل۔'' (سیر اعلام النبلاء للذہبی : ۴۹۶/۱۴)

ان پر جرح کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے۔

(ب) اس کے دوسرے راوی (احمد بن سعد بن الحکم) ابن ابی مریم (م ۲۵۳ھ) کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا بأس به .** ''اس میں کچھ حرج نہیں۔''

(تہذیب التہذیب لابن حجر : ۲۹/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''صدوق'' کہا ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر : ۳۶)

اس سے امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام بقی بن مخلد نے روایت لی ہے، کسی نے ان پر جرح نہیں کی، لہٰذا وہ واضح طور پر ثقہ و صدوق ہیں۔

② **قال الإمام العقیلیّ : حدّثنا محمّد بن عثمان (بن أبی شیبة) ، قال :**

سمعت يحيىٰ بن معين وسئل عن أبي حنيفة ، قال : كان يضعّف في الحديث .

''محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے سنا، ان سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، وہ حدیث میں ضعیف قرار دیئے گئے ہیں۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : ٢٨٥/٤، تاريخ بغداد للخطيب : ١٣/ ٤٥٠، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہیں، ان پر جروح مردود ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے استاذِ مکرم، محدث العصر حافظ زبیر علیزئی (جزاه اللّٰه عن أهل الحديث أفضل الجزاء وجزى الحديث عنه كذلك) کا مضمون ''ایک مظلوم محدث''۔

(ماهنامه الحديث حضرو ، ٢٠/٤٤_٢٧)

خوب یاد رہے کہ ہمارے نزدیک ثقہ متقدمین، ائمہ محدثین کی جرح و تعدیل کے متعلق کتابیں میزان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہر ایک راوی کو بلا استثنیٰ اس میزان پر پرکھا جائے گا، ہر قول کی سند کی تحقیق کی جائے گی۔ جو جمہور کے نزدیک ثقہ ہوا، اسی کی روایت قبول ہوگی اور جو جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہوا، اس کی روایت ''ضعیف'' ہوگی۔ اس بات پر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے، کیونکہ حق کو چھوڑنا ہمیں گوارا نہیں۔

ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ حافظ مزی رحمہ اللہ (۶۵۴ھ۔۷۴۲ھ)، حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م۷۴۸ھ) اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) وغیرہم ناقلین کی کتابوں میں مذکور بے سند اقوال کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، جب تک اصلی معتبر کتابوں سے ان کی سندیں ثابت نہ ہو جائیں۔ ان کتابوں میں محض سہولت کے لیے راویوں کے متعلق تقریباً تمام اقوال ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حدیث اور راویانِ حدیث کے متعلق سند اور تحقیقِ سند سے پہلو تہی اختیار کرنا دینِ اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔

ہر دور میں سند کا مسئلہ اہل حدیث علمائے کرام کے ہاتھ میں رہا۔ اس اقدام پر دیانت سے عاری سرگشتے اہل بدعت اور اہل الحاد سخت نالاں نظر آتے ہیں۔

الحاصل : امام یحییٰ بن معین سے امام ابوحنیفہ کی توثیق قطعاً ثابت نہیں، البتہ دو جروح باسندِ صحیح ثابت ہیں۔

والحمد لله على ذلك !

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا ... کی تفسیر میں

حدیثِ براء بن عازب رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! سورۃ البقرۃ (۱۸۹) میں مذکورہ بالا فرمانِ الٰہی موجود ہے، جس کا معنیٰ لغتِ عرب کے مطابق یہ ہے کہ ''تمہارا اپنے گھروں کو ان کی پچھلی جانب سے آنا نیکی نہیں ہے، بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو تقوی اختیار کرے، اپنے گھروں کو دروازوں کی طرف سے آیا کرو۔''

حدیث میں بھی یہی معنیٰ بیان ہوا ہے، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نزلت هذه الآية فينا ، كانت الأنصار إذا حجّوا ، فجاء وا ، لم يدخلوا من قبل أبواب بيوتهم ولكن من ظهورها ، فجاء رجل من الأنصار ، فدخل من قبل بابه ، فكأنّه عيّر بذلك ، فنزلت : ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾(البقرة : ۱۸۹)

''یہ آیتِ کریمہ ہمارے (انصار کے) بارے میں نازل ہوئی، انصاری لوگ جب حج کرتے اور (واپس) آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پچھلی جانب سے آتے، ایک انصاری آیا اور اپنے دروازے سے داخل ہو گیا، اسے گویا اس وجہ سے عیب دیا گیا، پھر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ﴾(البقرة : ۱۸۹) (یہ نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں کو پچھواڑے سے آؤ، بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو تقوی اختیار کرے، اپنے گھروں کو دروازے سے آیا کرو)۔''

(صحيح بخاری : ۱۸۰۳، صحيح مسلم : ۳۰۲۶)

یہ تفسیر بالکل واضح ہے، مفسرینِ کرام بالتواتر اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں یہ حدیث پیش کرتے آئے ہیں، کسی مفسر نے اس تفسیر کو ردّ نہیں کیا۔ چودہ سو سال بعد میرٹھی صاحب کو یہ وحی (جو کہ یقیناً شیطانی ہے) ہوئی ہے کہ ساری امتِ مسلمہ اس ''غلط تفسیر'' پر قائم رہی ہے اور اب وہ اس کی ''تصحیح'' کرنا چاہتے ہیں۔

آیئے اس حدیث پر ان کے عقلی و نقلی اعتراضات کا جائزہ لیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس آیتِ کریمہ کی وہ تفسیر معتبر ہے یا نہیں، جس کو امتِ مسلمہ خیر القرون سے لے کر آج تک صحیح سمجھتی آئی ہے؟

اصولی اعتراض

اعتراض نمبر ① : میرٹھی صاحب لکھتے ہیں : ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ابو اسحاق سبیعی کوفی نے، اس سے شعبہ بن حجاج واسرائیل بن یونس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔۔۔۔

ابو اسحاق نے شعبہ سے کچھ بیان کر دیا تھا اور اسرائیل کو کچھ اور بتا دیا تھا، دونوں نے ابو اسحاق سے یہ حدیث اس کی مخبوط الحواسی کے زمانہ میں سنی تھی، رہے وہ اہل علم جنہوں نے ابو اسحاق سے اس کی جوانی یا کہولت کے زمانہ میں، یعنی مخبوط الحواسی سے پہلے استفادۂ احادیث کیا تھا تو ان میں سے کسی نے بھی ابو اسحاق سے یہ حدیث روایت نہیں کی، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی بیان کی ہوئی نہیں ہے، ابو اسحاق نے غلطی سے اسے براء بن عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا، اس حدیث میں شعبہ واسرائیل کی روایتوں کے ناقابل حل تعارض پر امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر نہیں پڑی۔ اسی لیے دونوں ہی روایتیں درجِ صحیح فرما دیں، حالانکہ دونوں ہی روایتیں نادرست و ناقابل التفات ہیں۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ١/٤٧-٤٨)

جواب : ہم تحویل قبلہ والی صحیح حدیث کا دفاع کرتے ہوئے اعتراض نمبر ① کے جواب میں بالتفصیل یہ بات ذکر چکے ہیں کہ امام شعبہ رحمہ اللہ سب محدثین کے نزدیک بالاتفاق امام ابو اسحاق سبیعی سے ان کے ''مخبوط الحواسی کے زمانہ'' سے پہلے روایت کرتے ہیں، قارئین تشفی کے لیے اس مقام کا مطالعہ ضرور کریں! آج تک یہ دعوی کسی محدث نے نہیں کیا، جو اصولِ حدیث کے بارے میں جہالتِ مطلقہ کا تاج سر پر سجائے ہوئے میرٹھی صاحب نے کر دیا ہے کہ شعبہ نے ابو اسحاق سبیعی سے اختلاط کے بعد احادیث سنی ہیں!

اسی مقام پر ہم یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اسرائیل نے بھی جمہور محدثین کے نزدیک ابو اسحاق سبیعی کے اختلاط سے پہلے ہی ان سے روایات بیان کی ہیں، ایک درجن سے زائد محدثین کے مقابلے میں اصولِ حدیث سے یکسر لاعلم لوگوں کا قول بھلا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

معلوم ہوا کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث بالکل بے غبار اور صحیح ہے، لہٰذا ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ کے اختلاط کا بہانہ بنا کر اسے ردّ کرنا اور اس پر طرح طرح کے ''عقلی'' اعتراضات کرنا نہایت بے تکی بات

ہے، آیئے اب میرٹھی صاحب کی طرف سے کیے گئے بے حقیقت ''عقلی'' اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

عقلی اعتراضات

اعتراض نمبر ①: ''یہ حدیث براء بن عازب سے صرف ابواسحاق نے اور ابو اسحاق سے شعبہ واسرائیل دو شخصوں نے روایت کی ہے۔ راوی صحابی ایک ہے اور اس سے روایت کرنے والا شخص ایک ہے، یعنی ابواسحاق۔ اس سے روایت کرنے والے دو شخص ہیں، شعبہ واسرائیل، پس ضروری ہے دونوں شخصوں کا بیان یکساں اور ہم آہنگ ہو۔ ان کے بیان میں اختلاف اور تناقض وتعارض نہ ہو۔ لیکن یہ دونوں روایتیں آپس میں مختلف بھی ہیں اور ان میں ٹکراؤ بھی ہے، شعبہ نے جو بیان کیا ہے، اسرائیل کا بیان اس سے الگ ہے اور دونوں کی روایتوں کے مضمون میں ایسا ٹکراؤ ہے، جسے دور کرنا ناممکن ہے۔

دیکھئے شعبہ کی روایت میں خاص انصار کا ذکر ہے کہ وہ جب حج کر کے وطن واپس آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ احرام کی حالت نہ ہوتی تھی، کیونکہ احرام تو حج یا عمرہ ادا کرنے اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے باندھا جاتا ہے، حج وعمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے وطن واپس آنے کے لیے احرام نہیں باندھا جاتا، نہ آج تک کسی نے باندھا اور اسرائیل کی روایت میں عموم کے ساتھ اہل جاہلیت کا ذکر ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ احرام باندھ لیتے تو پھر گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتے پشت سے آتے، پس یہ حج وعمرہ سے قبل اور حالتِ احرام کی بات ہوئی۔ وحدتِ مخرج (ابواسحاق) کے باوجود شعبہ واسرائیل کی روایتوں کا یہ ٹکراؤ یہ ناقابل حل تعارض اس بات کی دلیل ہے کہ ابواسحاق نے شعبہ سے کچھ بیان کر دیا تھا اور اسرائیل کو کچھ اور بتا دیا تھا۔'' (««صحیح بخاری کا مطالعہ»» : ۴۸/۱)

جواب: ① قارئین کرام! میرٹھی صاحب کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ امام شعبہ کی روایت میں خاص انصار کا ذکر ہے، جبکہ اسرائیل بن یونس کی روایت میں عام اہل جاہلیت کا ذکر ہے، اس فرق کو انہوں نے ''ناقابل حل تعارض'' قرار دے کر صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح حدیث، جسے چودہ سو سال تک مسلمان صحیح ہی مانتے آئے ہیں، پرنہایت بے عقلی کے ساتھ ایک ''عقلی'' اعتراض کرنے کی انتہائی ناکام کوشش کی ہے، حالانکہ یہ کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔ وہ اس طرح کہ سب اہل

جاہلیت کا یہ طرزِ عمل تھا اور انصارِ مدینہ کا بھی یہی طریق کار تھا۔ جب انصار اور مشرکینِ مکہ دونوں قسم کے لوگوں کا یہ رواج تھا تو دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوگئی اور یہ بات اصولِ تفسیر میں مسلم ہے کہ ایک آیت کے کئی سببِ نزول ہو سکتے ہیں، جیسا کہ علومِ قرآن کی مشہور ومعروف اور مسلم کتاب ''مناہل العرفان'' کے مصنف علامہ عبدالعظیم زرقانی رحمہ اللہ ایک آیت کے بارے میں احادیث میں دو یا زیادہ اسبابِ نزول بیان ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

وأمّا الصّور ة الثّالثة : وهى ما استوت الرّوايتان فى الصّحّة ، ولا مرجّح لإحداهما ، لكن يمكن الجمع بينهما بأنّ كلًّا من السّببين حصل ونزلت الآية عقب حصولهما معًا لتقارب زمنيهما ، فحكم هذه الصّورة أن نحمل الأمر على تعدّد السّبب ، لأنّه الظّاهر ، ولا مانع يمنعه .

''تیسری صورت یہ ہے کہ (سببِ نزول کے بارے میں موجود) دونوں روایات صحت میں برابر ہوں اور کسی ایک کو ترجیح دینے والا کوئی قرینہ بھی نہ ہو، بلکہ دونوں کے درمیان اس طرح سے تطبیق ممکن ہو کہ دونوں اسباب وقوع پذیر ہوئے اور آیت دونوں کے بعد ایک ہی دفعہ نازل ہوگئی، کیونکہ زمانہ قریب قریب تھا، اس صورت کا حکم یہ ہوگا کہ ہم اس آیت کے معاملہ کو تعددِ اسبابِ نزول پر محمول کریں گے، کیونکہ یہی بات ظاہر ہے اور اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے۔'' (مناهل العرفان للزرقاني : ٩٩/١)

آیتِ لعان کے بارے میں حدیثِ صحاح میں دو اسبابِ نزول موجود ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی (صحيح بخاري : ٤٧٤٥، صحيح مسلم : ١٤٩٢)، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی (صحيح بخاري : ٤٧٤٧)، اس اختلاف کے بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) علومِ تفسیر کے موضوع پر اپنی معروف کتاب ''الاتقان'' میں لکھتے ہیں:

جمع بينهما بأنّ أوّل وقع له ذلك هلال وصادف مجيء عويمر أيضا ، فنزلت فى شأنهما معًا ، وإلى هذا جنح النّوويّ ، وسبقه الخطيب ، فقال : لعلّهما اتّفق لهما ذلك فى وقت واحد .

''دونوں اسبابِ نزول کے درمیان تطبیق یوں دی جائے گی کہ سیدنا ہلال رضی اللہ عنہ کو یہ معاملہ پہلے

درپیش ہوا، پھر ساتھ ہی سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، چنانچہ دونوں کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ ایک ہی بار نازل ہوگئی، علامہ نووی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے، ان سے پہلے خطیب بغدادی نے فرمایا تھا کہ (عین) ممکن ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کے بارہ میں ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہو۔''

نیز لکھتے ہیں: **قال ابن حجر : لا مانع من تعدّد الأسباب .** ''(ایک آیتِ کریمہ کے) کئی اسبابِ نزول سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔'' (الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۲۱۔۱۲۲)

معلوم ہوا کہ ایک آیتِ کریمہ کے ایک سے زائد اسبابِ نزول ہونا کوئی بعید بات نہیں، نہ ہی ایسا ہونا حدیث میں کسی قسم کے کسی اعتراض کا کوئی سبب ہے، بلکہ محض اصولِ تفسیر وعلومِ قرآن سے جہالت کا کرشمہ ہے۔

اب قارئین انصاف کا خون کیے بغیر بتائیں کہ ابواسحاق کے ان دونوں بیانات میں کیا تضاد ہے؟ بھلا جو شخص علومِ قرآن اور فنِ تفسیر کی بنیادی معلومات سے بھی تہی دست ہے، اسے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟

② رہی احرام باندھنے کی بات، جس پر میرٹھی صاحب نے یوں اعتراض کیا ہے کہ ''شعبہ کی روایت میں خاص انصار کا ذکر ہے۔۔۔احرام تو حج یا عمرہ ادا کرنے اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے باندھا جاتا ہے، حج وعمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے وطن واپس آنے کے لیے احرام نہیں باندھا جاتا، نہ آج تک کسی نے باندھا۔۔۔''

قارئین صحیح بخاری میں امام شعبہ رحمہ اللہ کی روایت بار بار پڑھیں، ان کو انصار کے واقعہ میں احرام کا ذکر کہیں نہیں ملے گا کہ وہ احرام باندھے ہوئے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔ احرام کا ذکر تو اسرائیل کی روایت میں ہے اور وہاں پر عام اہل جاہلیت کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ امام ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ کا اختلاط نہیں، بلکہ خود منکرینِ حدیث کی کم فہمی کی بہت بڑی دلیل اور کج فہمی کی زبرست برہانِ عظیم ہے۔

اب شاید منکرینِ حدیث کے ذہن میں یہ اعتراض ابھرے کہ ''عام اہل جاہلیت کے ساتھ تو احرام کا ذکر ہے نا! اور عموم میں انصار بھی شامل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ نے

انصار کے گھر داخل ہوتے وقت بھی احرام کا ذکر کیا ہے، جو کہ سراسر غلط ہے۔"

لیکن یہ سراسر ان کی خام خیالی ہے، جو صرف انکارِ حدیث کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ قرآنِ کریم میں بھی بار ہا مقامات پر عموم کے الفاظ سے خاص چیز مراد ہوتی ہے، ہم بطورِ نمونہ ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ وہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا، وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ (البقرۃ : ۲)

"اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔"

دیکھ لیں کہ اوّل الذکر فرمانِ باری تعالیٰ میں قرآن کو عمومی طور پر سب لوگوں کے لیے ہدایت قرار دیا گیا ہے، جبکہ دوسرے فرمانِ الٰہی میں قرآنِ کریم کو سب لوگوں میں سے صرف تقویٰ والے لوگوں کے لیے ہدایت بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم میں بھی بسا اوقات عموم کو کسی خارجی دلیل اور قرینہ سے خاص کر لیا جاتا ہے، کیونکہ یہ صرف عربی نہیں، بلکہ ہر زبان کا مسلم قانون اور ضابطہ ہے، لہٰذا اس حدیث میں اہل جاہلیت کے عمومی الفاظ سے خاص اہل مکہ مراد ہیں، دلیل اور قرینہ اس اختصاص کا یہی ہے کہ اہل جاہلیت کے احرام کی حالت میں گھروں کی پچھلی جانب سے داخل ہونے کا ذکر ہے اور ایسا صرف مکہ والے ہی کر سکتے تھے، کیونکہ فریضۂ حج ان کے اپنے شہر میں ادا ہوتا تھا، جبکہ انصار تو حج سے فارغ ہو کر اور احرام اتار کر ہی گھروں کو جاتے تھے، اس لیے اہل جاہلیت سے مراد مکہ والے اہل جاہلیت ہی ہیں۔

اتنی سی بات تھی، جو میرٹھی صاحب کی عقلِ نارسا میں نہ سما سکی اور انہوں نے ساری امتِ مسلمہ کے اتفاقی و اجماعی فیصلے کو ٹھکرانے کی ٹھان لی! کیا ایسے شخص کو ایسا کام زیب دیتا ہے؟

اعتراض نمبر ② : "علاوہ بریں شعبہ والی روایت میں مذکور ہے کہ ایک انصاری مسلمان حج کر کے آیا تو وہ پرانی رسم کے برخلاف گھر میں دروازے سے داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کس سن میں پیش آیا تھا؟ جبکہ ہجرت کے بعد اہل اسلام پہلی بار ۹ ہجری میں مدینہ سے حج کے لیے گئے تھے اور ان کی امیر الحج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پس اگر یہ واقعہ اسی سال کا سمجھا جائے تو لازم آتا ہے کہ ۹ ہجری کے اواخر یا ۱۰ ہجری کے اوائل میں یہ آیت نازل ہوئی ہو، حالانکہ تمام مفسرین واہل علم اس پر متفق ہیں کہ یہ آیات ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کی صحیح تفسیر سورۃ البقرۃ میں پڑھنی چاہیے۔ یہاں میں صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ گھر میں پشت کی طرف سے آنا کنایہ ہے کسی کام کو بے ڈھنگے پن کے ساتھ کرنے سے اور گھر میں دروازے سے آنا کنایہ ہے کام کو صحیح ڈھنگ کے ساتھ انجام دینے سے۔''

(((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۴۹/۱)

جواب : ① قارئین کرام! میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض انتہائی فضول ہے کہ ''ہجرت کے بعد اہل اسلام پہلی بار ۹ ہجری میں مدینہ سے حج کے لیے گئے تھے۔۔۔حالانکہ تمام مفسرین واہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیات ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔''

کیونکہ اجتماعی طور پر واقعی مسلمان ۹ ہجری میں ہی مکہ گئے تھے، لیکن انفرادی طور پر تو آتے ہی رہتے تھے، اس لیے کہ کفار مکہ کی طرف سے پابندی صرف ۶ ہجری کی تھی، ۷ ہجری سے تو مسلمانوں کو حج وعمرہ دونوں کے لیے آنے کی مکمل اجازت تھی، پھر بھلا کوئی مسلمان ۹ ہجری سے پہلے حج کرنے نہ گیا تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ سے اگلے سال ذی القعدہ میں عمرہ فرمایا ہے۔(صحیح بخاری : ۴۱۴۸، صحیح مسلم : ۱۲۵۳)

پھر میرٹھی صاحب کا یہ کہنا بھی بالکل بے حقیقت ہے کہ سب مفسرین واہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیات ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئیں۔۔۔

ان کے معتقدین سے التماس ہے کہ وہ اس آیتِ کریمہ کا زمانۂ نزول ۷ ہجری قرار دینے والے ''سب''مفسرین اور اہل علم میں سے صرف سات متقدمین کے نام پیش کر دیں!

② رہی ان کی ''صحیح''تفسیر تو عرض ہے کہ میرٹھی صاحب کے پاس وہ ''وحی'' کہاں سے آئی تھی، جس نے انہیں اس کی ''صحت'' اور صحیح بخاری میں موجود تفسیر کے ''ضعف'' کی خبر دی تھی؟ صحابہ وتابعین اور ائمہ دین سے لے کر مفسرین عظام اس آیتِ کریمہ کی یہ تفسیر کرتے آئے ہیں، کسی

نے اسے غلط قرار نہیں دیا، جیسا کہ عظیم مفسر ومحدث حافظ بغوی رحمہ اللہ (م۵۱۰ھ) لکھتے ہیں:

قال أهل التّفسير : كان النّاس في الجاهليّة وفي أوّل الإسلام اذا أحرم الرّجل منهم بالحجّ أو العمرة لم يدخل حائطا ولا بيتا ولا دارا من بابه .... فأنزل الله تعالىٰ هذه الآية ...

''اہل تفسیر نے کہا ہے کہ دورِ جاہلیت اور شروع اسلام میں لوگوں کا معمول یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی آدمی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتا تو باغ اور گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتا۔۔۔۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔۔۔'' (معالم التنزيل للبغوی : ۲۱۲/۱)

مفسر ابنِ عادل (م۸۸۰ھ) لکھتے ہیں: **قال المفسّرون سبب نزول الآية الكريمة : كان النّاس في أوّل الاسلام ، اذا أحرم الرّجل منهم ..... ولا يخرج ولا يدخل من الباب ...** ''مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ لوگ شروع اسلام میں یوں کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی آدمی احرام باندھ لیتا تو۔۔۔دروازے سے نہ نکلتا نہ داخل ہوتا۔۔۔'' (تفسير اللباب : ۵۸۵/۱)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (م۶۷۱ھ) اس آیتِ کریمہ کے بارے میں کئی اقوال لکھ کر فرماتے ہیں:

القول الأوّل أصحّ هذه الأقوال ، لما رواه البراء ، قال : كان الأنصار اذا حجّوا ، فرجعوا لم يدخلوا البيوت من أبوابها ... ''ان سب اقوال میں سے پہلا قول ہی صحیح ترین ہے، کیونکہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انصار جب حج کرتے اور لوٹتے تو گھروں کو دروازوں سے داخل نہ ہوتے تھے۔۔۔۔''

نیز لکھتے ہیں: **وهذا نصّ في البيوت حقيقة ، خرّجه البخاريّ ومسلم ...**

''یہ بخاری ومسلم کی حدیث اس بات پر دلیلِ قاطع ہے کہ یہاں حقیقی گھر مراد ہیں (یہ کسی اور امر سے کنایہ نہیں ہے)۔'' (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی : ۳٤٦/۲)

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ سے ڈر کر فیصلہ کریں کہ پانچویں صدی ہجری کے عظیم مفسر حافظ بغوی رحمہ اللہ سب مفسرین سے یہی تفسیر بیان کر رہے ہیں، جو صحیح بخاری ومسلم میں موجود ہے، پھر نویں صدی ہجری کے مفسر بھی مفسرین کرام سے یہی تفسیر نقل کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ نویں صدی تک کسی نے اس

تفسیر کا انکار نہیں کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ساتویں صدی ہجری کے نامور مفسر اسی تفسیر کو راجح قرار دے کر باقی تفسیروں کو مرجوح قرار دے رہے ہیں۔ پھر باقی سلف صالحین اور پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق اس پر مستزاد ہے، لیکن افسوس ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگ پوری امتِ مسلمہ کو فہم سے کورا قرار دے کر من پسند اسلام متعارف کروانا چاہتے ہیں، کیا اتنے واضح حقائق کو دیکھ کر بھی کوئی منکرینِ حدیث کی اندھی تقلید پر ڈٹا رہے گا؟

❀❀❀❀❀❀❀

علمِ نافع کیا ہے؟

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

''احیاء علوم الدین (از غزالی) میں بہت ساری باطل (جھوٹی) احادیث ہیں اور اس میں بہت سی خیر بھی ہے۔ کاش کہ اس میں آدابِ (تصوف وسلوک) اور حکماء اور بے دین صوفیاء کے طور طریقے اور زہد وتکشف نہ ہوتا! ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ علمِ نافع کیا ہے؟ علمِ نافع وہ ہے، جسے لے کر قرآن نازل ہوا ہے اور جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے قول وفعل کے ذریعے کر دی ہے اور اس کی ممانعت نہیں آئی۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے: **فمن رغب عن سنّتي فليس منّي .** (جس نے میری سنت سے منہ موڑا، وہ میرے طریقے پر نہیں ہے)۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱)

اے بھائی! آپ کتاب اللہ کو لازم پکڑیں اور صحیح بخاری وصحیح مسلم، سنن النسائی اور علامہ نووی رحمہ اللہ کی ریاض الصالحین اور اذکار کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھیں، آپ کامیاب وکامران ہو جائیں گے۔

آپ فلسفی زاہدوں، اہل ریاضت کے وظائف، رہبانوں کی بھوک اور خلوت پسند بڑے بڑے صوفیوں کے بانگِ دہل دعووں سے بچ کر رہیں، کیونکہ ہر بھلائی دینِ اسلام کی پیروی میں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم دکھا دے!''

(سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۳۳۹۔۳۴۰)

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ...

کے محل نزول وروزِ نزول کے متعلق حدیث

قارئین کرام! سورۃ المائدہ میں دینِ اسلام کی تکمیل کی بشارت موجود ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾(المائدۃ : ۵/۳)

''آج کے دِن میں نے تمہارے اوپر اپنے دین کو مکمل اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔''

صحابہ وتابعین سے لے کر تمام مسلمان اس آیت سے دین کی تکمیل کی بشارت سمجھتے آئے ہیں۔

مفسرین کرام نے بھی اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں بتایا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حجۃ الوداع کے موقع پر جمعۃ المبارک کے دن مقامِ عرفہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ صحیح بخاری (۴۵، ۴۴۰۷، ۴۶۰۶، ۷۲۶۸)اور صحیح مسلم (۳۰۱۷)وغیرہ میں موجود ہے۔ چودھویں صدی تک کسی مفسر نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔

بلکہ امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وأولى الأقوال في وقت نزول الآية القول الّذي روي عن عمر بن الخطّاب أنّها نزلت يوم عرفة ، يوم جمعة ، لصحّة سنده ، ووهي أسانيد غيره . ''اس آیتِ کریمہ کے وقتِ نزول کے بارے میں بہترین قول وہ ہے، جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت یومِ عرفہ کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ (اس قول کے راجح ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور دوسرے اقوال کی سندیں کمزور ہیں۔''

(تفسیر الطبری : ۹/۵۳۶)

لیکن سب مسلمانوں کے اس اتفاقی فیصلے کے برعکس بعض لوگوں کو دینِ اسلام کی تکمیل کی یہ بشارت ایک آنکھ نہیں بھاتی، کیونکہ اسے تسلیم کر لینے کے بعد وہ دینی معاملات میں اپنی رائے کو داخل کرنے کے مجاز نہیں رہتے، لہٰذا انہوں نے اس یقیناً صحیح حدیث کا صاف انکار کر دیا ہے اور مؤمنوں کی راہ چھوڑتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ یہ بہت پہلے نازل ہو چکی تھی اور اس سے تکمیل دین کی بشارت مراد لینا صحیح نہیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث کے صحیح ہونے پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے۔سب مسلمانوں کے اتفاقی فیصلے کی مخالفت لامحالہ بے عقلی وبے وقوفی ہے۔آیئے اس صحیح حدیث پر ان کی طرف سے کیے گئے بے بنیاد اور بے تکے اعتراضات کا جائزہ لیں:

اصولی اعتراضات

اعتراض نمبر ① : اس حدیث کے ایک راوی طارق بن شہاب کے بارے میں میرٹھی صاحب لکھتے ہیں: ''طارق بن شہاب کوفی تابعی ہے۔حضرت عمر کے عہد میں جب کوفہ شہر بسا تو طارق کے والد شہاب نے کوفہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے اواخر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی دیکھ بھال اور اہل کوفہ کو تعلیمِ دین دینے کی خاطر کوفہ بھیج دیا تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں ہی رہے۔طارق بن شہاب کا شمار بھی ان اصحاب کے تلامذہ میں ہوتا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے اس نے حدیثیں روایت کی ہیں،لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس نے نہ کوئی حدیث سنی ہے نہ ان سے اس کی ملاقات ثابت ہے۔بقول خلیفہ بن خیاط ۸۲ھ اور بقول عمرو بن علی ۸۳ھ میں اور بقول ابنِ نمیر ۸۴ھ میں طارق کا انتقال ہوا۔(تهذيب التهذيب)

طارق سے جو حدیثیں مروی ہیں،ان کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص بے اصل اور بے سروپا اور غیر معقول باتیں صحابہ کرام کی طرف منسوب کر کے روایت کر ڈالتا تھا اور اپنے متعلق اس نے قیس بن مسلم سے یہ لاف زنی بھی کی تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت میں چالیس سے زائد جہادوں میں شریک رہا ہوں۔۔۔

اب ظاہر ہے کہ جس شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جہاد وقتال میں حصہ لیا ہو،وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کم سے کم تیرہ سال کا ضرور ہوگا،کیونکہ پندرہ سال سے کم عمر والے لڑکے کو شرکتِ جہاد کی اجازت نہیں ملتی تھی اور یقیناً بارہ،تیرہ سال کا لڑکا باشعور ہوتا ہے۔ایسی ہی کم عمر حضرت عبداللہ بن عباس کی تھی۔پھر کیا وجہ ہے کہ طارق بن شہاب نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی حدیث روایت نہیں کی،نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا کوئی حدیث سننا ثابت ہے۔واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی قدر وقیمت بڑھانے کے لیے ہی اس نے یہ دروغ گوئی کی

تھی۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱/۵۲۔۵۳)

جواب : قارئین کرام! کسی راوی کے سچے یا جھوٹے ہونے کا معیار اس کے بارے میں موجود محدثین کے اقوال ہوتے ہیں نہ کہ اس شخص کی ذاتی رائے، جو اس علم سے جاہل مطلق ہو!

محدثین کرام نے بالاتفاق یہ صراحت کی ہے انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو واقعی دیکھا تھا، لیکن آپ ﷺ سے احادیث نہیں سن سکے۔ کسی ایک محدث نے بھی اس بات کا انکار ثابت نہیں۔

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **طارق بن شهاب رأى النّبى صلّى الله عليه وسلّم .**

''طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم ﷺ کو دیکھا ہے۔'' (المراسیل لابن ابی حاتم : ص ۹۸)

امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لهٔ رؤية .** ''آپ کو نبیٔ اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی تھی۔'' (المراسیل لابن ابی حاتم : ص : ۹۸)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **طارق بن شهاب قد رأى النّبى صلّى الله عليه وسلّم ولم يسمع منه شيئا .** ''طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم ﷺ کی زیارت کی تھی، لیکن آپ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔'' (سنن ابی داؤد ، تحت حدیث : ۱۰۶۷)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وطارق بن شهاب ممّن يعدّ فى الصّحابة .**

''طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کا شمار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے۔''

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۱/۲۸۸)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں: **رأى النّبى صلّى الله عليه وسلّم .**

''انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو دیکھا ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۳/۴۸۸)

یوں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے ایک صحابی ہیں، جن کی گستاخی کر کے میرٹھی صاحب نے اپنی عقبیٰ گنوائی ہے۔ آج تک کسی ایک محدث نے بھی ان پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ کئی ایک محدثین نے ان کی ثقاہت کی تصریح کی ہے۔

جب وہ ہیں معتبر تو ان کی اس بات کا بھی اعتبار ہونا چاہیے جو امام ابنِ سعد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے:

أخبرنا يحيى بن عبّاد وسليمان أبو داؤد الطّيالسى ، قالا : أخبرنا شعبة عن قيس بن مسلم ، قال : سمعت طارق بن شهاب يقول : رأيت رسول الله صلّى الله

عليه وسلّم وغزوت في خلافة أبي بكر وعمر بضعا وأربعين بين غزوة وسريّة .

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں قریباً چالیس غزوات وسرایا میں شریک ہوا ہوں۔''

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ٦/٤٦، المراسیل لابن ابی حاتم : ص ٩٨، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ابنِ سعد جو اس سلسلۂ سند کی پہلی کڑی ہیں، ان کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہاں ان کے دو استاذ ہیں، ایک یحییٰ بن عباد، جو کہ صدوق راوی ہیں، دوسرے امام ابوداوٗد طیالسی رحمہ اللہ ہیں، جو کہ حدیث کی مشہور کتاب مسند طیالسی کے مصنف ہیں، ان کی ثقاہت بھی مسلم ہے۔ ان کے استاذ امام شعبہ بن حجاج، جو کہ امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے ملقب ہیں، وہ بھی سب مسلمانوں کے ہاں محترم ومکرم ومعتبر شخصیت ہیں۔ ان کے استاذ اس روایت میں قیس بن مسلم ہیں، وہ بھی ثقہ ثبت راوی ہیں۔

پھر لطف یہ ہے کہ سب راویوں نے اپنے اساتذہ سے اس بات کے خود سننے کی صراحت کی ہے، سوائے امام شعبہ رحمہ اللہ کے اور وہ ''تدلیس'' (اپنے استاذ سے خود نہ سنی ہوئی بات اس کا نام لے کر بیان کرنے) کو بہت برا خیال کرتے تھے۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب : ٣٥٦، وسندہٗ صحیحٌ)

میرٹھی صاحب قواعدِ حدیث سے جہالت یا تجاہل کی وجہ سے اکثر ''غیر مدلّس'' راویوں کی بالاتفاق صحیح روایات بھی اس وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے استاذ سے سننے کی صراحت نہیں کی، لیکن کیا ان کے معتقدین اس صراحت والی سنہری کڑی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟

جب طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بالاتفاق ''ثقہ'' ہیں تو ان کی یہ بات بالکل درست ہے کہ انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کر کے شرفِ صحابیت حاصل کیا ہے۔ اب اس کو تسلیم نہ کرنا محض تعصب، ہٹ دھرمی اور شقاوت ہے، اس روش کو کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔

شاید میرٹھی صاحب نے کہیں سے امام ابوحاتم کا یہ قول پڑھ لیا ہو کہ : **ليست له صحبة.** اور اس سے انہوں نے طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کی نفی سمجھ لی ہو، حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ خود امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے اسی قول سے متصل پہلے طارق رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کی صراحت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس قول سے مراد ہے کہ وہ نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ کچھ وقت نہ گزار سکے کہ احادیث سن لیتے۔

نہ معلوم میرٹھی صاحب کے پاس کونسا آلہ ہے، جس سے انہوں نے اس کی ''دروغ گوئی'' ماپ لی ہے؟ ورنہ بالاتفاق ''ثقہ'' راوی، خصوصاً ایک صحابیٔ رسول کو ''دروغ گو'' کہنا اور ان کے فرمودات کو ''لاف زنی'' قرار دینا بجائے خود دنیا کی بہت بڑی دروغ گوئی، لاف زنی، بےحیائی، بےشرمی، بےوقوفی، بدبختی، بدنصیبی، بدباطنی، بےہودہ بکواس اور سب سے بڑھ کر عقلی کی خرابی ہے۔

رہا یہ ''عقلی ڈھگونسلا'' کہ وہ اس روایت کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے وقت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرح باشعور تھے، لیکن انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ یا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت بیان نہیں کی تو یہ اعتراض کوئی بےعقل، پاگل، مجنون اور دیوانہ تو کرسکتا ہے، کوئی ذی شعور، صاحبِ فہم وفراست اور سلیم العقل آدمی نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ کسی کے شرفِ صحابیت کے ثبوت کے لیے ضروری نہیں کہ وہ آپ ﷺ یا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت بھی بیان کرتا ہو۔

حجۃ الوداع کا منظر ہی ذہن میں لائیں اور سوچیں کہ کتنی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس موقع پر آپ کی زیارت کی! لیکن کیا ان سب نے آپ ﷺ یا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں؟

صحیح بخاری(٤٦٢) وصحیح مسلم (١٧٦٤) میں سیدنا ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے اور صحیح مسلم (ح: ٨٦٨) میں سیدنا ضمام ازدی رضی اللہ عنہ کے اپنی جوانی میں مسلمان ہونے اور صحابی بننے کا ذکر ہے، ان کے صحابی ہونے میں تو آج تک کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا، لیکن کیا کوئی ''میرٹھی'' کسی ایسی حدیث کی طرف نشاندہی کرسکتا ہے، جو انہوں نے رسولِ کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہو؟

② میرٹھی صاحب کا طارق بن شہاب پر اعتراض بالکل فضول اور بےفائدہ ہے، کیونکہ یہی حدیث عمار بن ابی عمار نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بیان کی ہے۔ اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: **قرأ ابن عبّاس : ﴿ اَلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِيۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡإِسۡلَامَ دِيۡنًا ﴾ (المائدة : ٥/٣) ، وعنده يهوديّ ، فقال : لو أنزلت هذه علينا لاتّخذنا يومها عيدا ، فقال ابن عبّاس : فانّها نزلت في يوم عيد ، في يوم جمعة ويوم عرفة .** ''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیتِ کریمہ کی قرائت کی کہ:

﴿اَلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِيۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡإِسۡلَامَ دِيۡنًا﴾(المائدة : ٥/٣) (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی ہے

اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے)، آپ رضی اللہ عنہما کے پاس ایک یہودی تھا، اس نے کہا، اگر یہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو عید بناتے۔ اس پر سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یہ آیت ہماری عید والے دن ہی نازل ہوئی تھی، یومِ عرفہ کو جمعہ کے دن۔"

(جامع ترمذی : ۳۰٤٤، مسند الطیالسی : ۳۵۳/۱، ح : ۲۷۰۹، وسندہٗ صحیحٌ)

میرٹھی صاحب کے نزدیک بھی اس کی سند صحیح ہے۔ دلیل کے طور پر اتنی بات ہی کافی ہے کہ میرٹھی صاحب نے اسے اپنی کتاب میں ذکر تو کیا ہے، لیکن ان سے اس پر کوئی اعتراض نہیں بن پایا، لہٰذا چپ سادھ گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث پر اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ پر اعتراض ندامت بن کر قیامت تک میرٹھی صاحب کے ماتھے پہ سج گیا ہے۔ اس سے صحیح بخاری کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اعتراض نمبر ② : (یہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل نہیں، بلکہ مرسل ہے) یہ سرخی جما کر میرٹھی صاحب لکھتے ہیں: "قیس بن مسلم سے یہ حدیث ① سفیان ثوری ② مسعر بن کدام ③ ادریس بن یزید اور ④ ابوالعمیس نے روایت کی ہے۔۔۔۔

ثوری و مسعر و ادریس تینوں کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طارق بن شہاب نے چند یہودیوں یا ایک یہودی اور حضرت عمر کا یہ مکالمہ نقل کیا تھا، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ اسے یہ قصہ کس سے معلوم ہوا تھا؟ نہ یہ بتایا کہ میں اس وقت حضرت عمر کی مجلس میں حاضر تھا۔ پس طارق کا بیان کردہ یہ قصہ ان تینوں کی روایت کے مطابق "مرسل" ہے، یعنی طارق نے اسے کسی سے سنا تھا، مگر کس سے؟ اس کا اس نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور ابوالعمیس کی روایت یہ ہے:

أخبرنا قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب عن عمر أنّ رجلا من الیھود قال له

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ طارق نے یہ قصہ خود حضرت عمر سے سنا تھا۔ حضرت عمر نے اسے بتایا تھا کہ ایک یہودی نے ان سے کہا تھا۔۔۔ بخاری رحمہ اللہ نے اسی پر سفیان ثوری و مسعر و ادریس کی روایت کو حمل کر لیا تھا، لیکن امام بخاری کا یہ گمان اصول کے خلاف ہے۔ تین ثقہ راویوں کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ یہ حدیث "مرسل" ہے اور طارق نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا تھا، جس سے

اسے یہ قصہ معلوم ہوا تھا اور ایک راوی نے اپنی اسناد میں عـن عـمـر کہا ہے تو اس ایک شخص کی روایت کو تین اشخاص کی روایت پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ تین شخصوں کی روایت کو ایک کی روایت پر۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۱/۵۳۔۵٤)

جواب : ① قارئین کرام غور فرمائیں کہ میرٹھی صاحب اصولِ حدیث سے بالکل نابلد اور جاہل ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہر ایک راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ اپنے استاذ سے بیان کرنے میں حدّثنی یا سمعت جیسے صریح الفاظ کہے، بلکہ یہ شرط صرف ''مدلس'' راویوں کے لیے ہے، کیونکہ صرف ایسے راوی ہی کبھی اپنے استاذ سے بالواسطہ (Indirect) سنی ہوئی بات کو بلاواسطہ (Direct) بیان کرتے تھے۔ اگر باقی راوی بھی اس طرح کر دیتے تھے تو ''تدلیس'' والے اصول اور اس میں بعض راویوں کی تخصیص کا کیا مطلب؟؟؟

''غیر مدلس'' راوی کی ایسی روایت کو آج تک کسی محدث نے ''مرسل'' نہیں کہا، لہٰذا میرٹھی صاحب کا اسے ''مرسل'' قرار دینا بہت بڑی بے اصولی ہے، لیکن وہ ''چور بھی کہے چور چور'' کے صحیح مصداق بن کر اپنی بے اصولی امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے، بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے ذمہ تھوپنا چاہتے ہیں اور اس روایت کو ''اصول کے خلاف'' قرار دے رہے ہیں۔

کیا ساری امتِ مسلمہ، جو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر اجماع کر چکی ہے، وہ سب بے اصولی پر متفق ہو گئی تھی اور اس اصول کی سمجھ میرٹھی صاحب کو آئی تھی؟

③ رہا میرٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ تین راوی اس روایت کو طارق بن شہاب سے عـــن کے علاوہ دوسرے لفظوں، أَنَّ اور قَـالَ کے الفاظ سے ذکر کر رہے ہیں، جبکہ عَنْ سے بیان کرنے والا ایک راوی ہے، لہٰذا تین ثقہ راویوں کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ یہ یہ حدیث ''مرسل'' ہے۔۔۔

تو یہ بھی جہالت در جہالت ہے، کیونکہ ''غیر مدلس'' کی طرف سے أَنَّ اور قَـالَ کے الفاظ سے بیان کی گئی حدیث عَـــنْ کے لفظ سے بیان کی گئی حدیث کی طرح اتفاقی طور پر ''موصول'' اور ''صحیح'' شمار کی جاتی ہے۔ کسی محدث نے آج تک ایسی روایت کو ''مرسل'' نہیں کہا۔ یہ اصول ''میرٹھی کمپنی'' کا اپنا وضع کردہ ہے۔

صرف صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہی ایسی احادیث کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن کو صحابی أَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔کیا میرٹھی صاحب کے نزدیک وہ ساری کی ساری صحابی نے اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں سنیں، بلکہ کسی اور سے سنی ہیں؟؟؟

اعتراض نمبر ③ : ''عَنْ کا لفظ کبھی روایت کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی ''متعلق'' کے معنیٰ میں۔۔۔۔ابوالعمیس کی روایت میں عن عمر اسی معنیٰ میں ہے (یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ واقعہ ہے)۔امام بخاری سے چوک ہوگئی کہ اسے روایت کے معنیٰ میں سمجھ لیا۔پس طارق بن شہاب کی روایت کردہ یہ حدیث ''مرسل'' ہے۔معلوم نہیں کہ اس نے یہ قصہ کس سے سنا تھا؟ اور کسی حدیث کے صحیح ہونے کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کی اسناد متصل ہو، مرسل یا منقطع نہ ہو۔پس یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں ہے۔امام بخاری نے غلط فہمی کی وجہ سے اسے متصل الاسناد گمان کرلیا تھا۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۵۴/۱_۵۵)

جواب : ① میرٹھی صاحب نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ ان کو کس طرح سے معلوم ہوا تھا کہ ابوالعمیس کی روایت میں عَـنْ ''متعلق'' کے معنیٰ میں ہے، روایت کے معنیٰ میں نہیں؟؟؟ سند میں تو عَنْ روایت کے معنیٰ میں ہی آتا ہے۔اگر کوئی اس معنیٰ کے خلاف کسی معنیٰ کا مدعی ہو تو اسے کم از کم اپنی دلیل ذکر کرنا چاہیے، جس کی بنا پر اصلی معنیٰ چھوڑ کر دوسرا معنیٰ مراد لیا گیا!

اسے امام بخاری رحمہ اللہ ''چوک'' قرار دیتے وقت میرٹھی صاحب کی عقل نے اتنا کام نہیں کیا کہ صرف امام بخاری ہی نہیں، بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ سمیت تمام محدثین اس کا یہی معنیٰ لیتے ہیں، پھر پوری امتِ مسلمہ اسی معنیٰ پر اجماع و اتفاق کر چکی ہے، لیکن حدیث اور اصولِ حدیث سے نابلد میرٹھی صاحب اس کو امام بخاری کی ''چوک'' قرار دے رہے ہیں! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ!!!

کیا کوئی مسلمان فردِ واحد کی اس چوری اور سینہ زوری کو تمام محدثین اور پوری امتِ مسلمہ کے خلاف صحیح قرار دے سکتا ہے؟

③ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ چونکہ صحابی ہیں، لہٰذا صحابہ کرام کی ''مرسل'' روایات بھی حجت ہوتی ہیں، جیسا کہ ہم گزشتہ قسطوں میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صحابی اگر ارسال کرے تو ہمیشہ کسی صحابی کا واسطہ ہی چھوڑتا ہے اور صحابی کا معلوم نہ ہونا مضر نہیں ہوتا۔

✻✻✻✻✻✻✻

جاری ہے۔۔۔۔

اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحیٰی نور پوری

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اور اسی کو اپنا عقیدہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''۔۔۔اور میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے موت کے بعد کے حالات کے بارہ میں بیان کی ہوئی تمام خبروں پر ایمان رکھتا ہوں، چنانچہ میں فتنۂ قبر، قبر کی نعمتوں، جس دن لوگ ننگے قدموں اور ننگے بدنوں اور بے ختنہ، رب العالمین (کے سامنے حاضری) کے لیے (قبروں سے) کھڑے ہوں گے، اس دن جسموں کی طرف روحوں کے لوٹائے جانے (سب چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ اس دن) سورج کے ان کے قریب ہوگا، میزان لگائے جائیں گے اور ان کے ساتھ بندوں کے اعمال کے تولے جائیں گے۔ جس کے (نیک اعمال کے) وزن بھاری ہوگئے، وہی کامیاب ہوں گے اور جن کے (نیک اعمال کے) وزن کم ہوگئے، وہی لوگ ہوں گے، جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہوگا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اعمال نامے تقسیم کیے جائیں گے، (نیک آدمی) اپنے اعمال نامے کو دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور (بدکردار) اسے بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔ میں میدانِ محشر میں نبیٔ اکرم ﷺ کے حوض پر بھی ایمان رکھتا ہوں، اس کا پانی دودھ سے بڑھ کر سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں ہوگا۔ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں (بے شمار) ہوں گے۔ جو ایک گھونٹ پی لے گا، اسے کبھی بھی پیاس نہ لگے گی۔ میں یہ بھی ایمان رکھتا ہوں کہ (پل) صراط جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا، لوگ اپنے اعمال کے مطابق اس پر سے گزریں گے۔ میرا نبیٔ اکرم ﷺ کی شفاعت پر بھی ایمان ہے، آپ ﷺ سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی شفاعت کا انکار صرف بدعتی اور گمراہ ہی کرتے ہیں، البتہ یہ شفاعت ہوگی اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضا کے بعد، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ (الانبياء : ۲۸/۲۱) (وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے، جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا)، نیز فرمایا: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ﴾ (البقرة : ۲۵۵/۲) (کون ہے جو اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے)، نیز فرمایا: ﴿ وَكَمْ مِنْ مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضٰى ﴾(النجم : ۲۶/۵۳) (اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دیتی، مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور پسند کرے، اس کے لیے اجازت دے دے)، اللہ تعالیٰ صرف توحید کو پسند کرتے ہیں اور صرف اہل توحید کے لیے ہی شفاعت کی اجازت دے گا، رہے مشرک لوگ تو ان کا شفاعت میں کچھ بھی حصہ نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ﴾ (المدثر : ۴۸/۷۴) (ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی) ۔۔۔۔'' (مولفات ابن عبد الوهاب : ص ۹-۱۰) جاری ہے۔۔۔

حائضہ اور تلاوتِ قرآن

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں : ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگا کر (سر رکھ کر) قرآن کی تلاوت کرتے، حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔''(صحیح بخاری : ۲۹۷، صحیح مسلم : ۳۰۱)

اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں :

''اس سے اشارہ ملتا ہے کہ حائضہ قرآن نہیں پڑھ سکتی، کیونکہ اگر اس کا بذاتِ خود قرآن پڑھنا جائز ہوتا تو اس کی گود میں قرائت کی ممانعت کا وہم نہ ہوتا کہ اس پر مستقل نص کی ضرورت محسوس ہوتی۔(فتح الباری : ٤٠٢/١)

یعنی اگر حائضہ خود قرآن پڑھ سکتی ہوتی تو یہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کی گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھا جا سکتا ہے، کیونکہ پھر تو وہ بالاولیٰ ثابت ہو جاتا۔ کسی صحابی یا تابعی سے حائضہ کے لیے تلاوتِ قرآن کی اجازت ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔ ابووائل شقیق بن سلمہ تابعی کہتے ہیں : ''جنبی اور حائضہ قرآن نہیں پڑھ سکتے۔''(مصنف ابن ابی شیبة : ۱۰۲/۱، وسندهٔ صحیحٌ) محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ سے روایت ہے : ''وہ جنبی اور حائضہ کے لیے ایک دو آیات پڑھنے میں کچھ حرج خیال نہیں کرتے تھے۔''(مصنف ابن ابی شیبة : ۱۰۲/۱، وسندهٔ صحیحٌ) ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی رحمہ اللہ کہتے ہیں : ''میں نے سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا حائضہ اور جنبی قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا، ایک دو آیات پڑھ سکتے ہیں۔''(مصنف ابن ابی شیبة : ۱۰۲/۱، وسندهٔ صحیحٌ) امام ابوالعالیہ کہتے ہیں : ''حائضہ قرآن نہ پڑھے۔''(سنن الدارمی : ۱۰۳۵، وسندهٔ صحیحٌ) امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ''حائضہ قرآن نہیں پڑھ سکتی، ہاں! کسی آیت کا کوئی ٹکڑا (بطورِ دعا) پڑھ لے۔''(سنن الدارمی : ۱۰۳۹، وسندهٔ صحیحٌ) امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں : ''امام زہری رحمہ اللہ سے جنبی مردوں اور حیض و نفاس والی عورتوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا، ان کو قرآن کا کچھ حصہ بھی پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔''(السنن الکبریٰ للبیھقی : ۳۰۹/۱، وسندهٔ حسنٌ)

ان آثار سے ثابت ہوا کہ حائضہ عورت قرآنِ کریم کی تلاوت نہیں کر سکتی۔ ہاں! ایک دو آیات بطورِ دعا پڑھ سکتی ہے، بطورِ قرائت وہ بھی منع ہیں، جیسا کہ امام زہری رحمہ اللہ کے فتویٰ سے عیاں ہے۔

امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ H کا بھی یہی مذہب ہے، نیز اس بحث سے معلوم ہوا کہ جنبی اور حائضہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔